

سلسله تاریخ و سوانح

۱

سلسلہ تاریخ و سوانح

مدیر • حنیف رامے

۱ - الحسین

۲ - الہارون

۳ - الخالد

۴ - چنگیز خاں

۵ - امیر تیمور

۶ - العمر

الحسین رض

حضرت امام حسین رض بن علی رض

☆

زندگی اور شہادت

عمر ابوالنصر

ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی

مکتبہ جدید

انارکلی - لاہور

بار اول - ۱۹۵۵ء

طابع - مرزا محمد صادق
زین پرنٹنگ پریس ، لاہور

ناشر : رشید احمد چودھری
مکتبہ جدید انارکلی ، لاہور

ترتیب

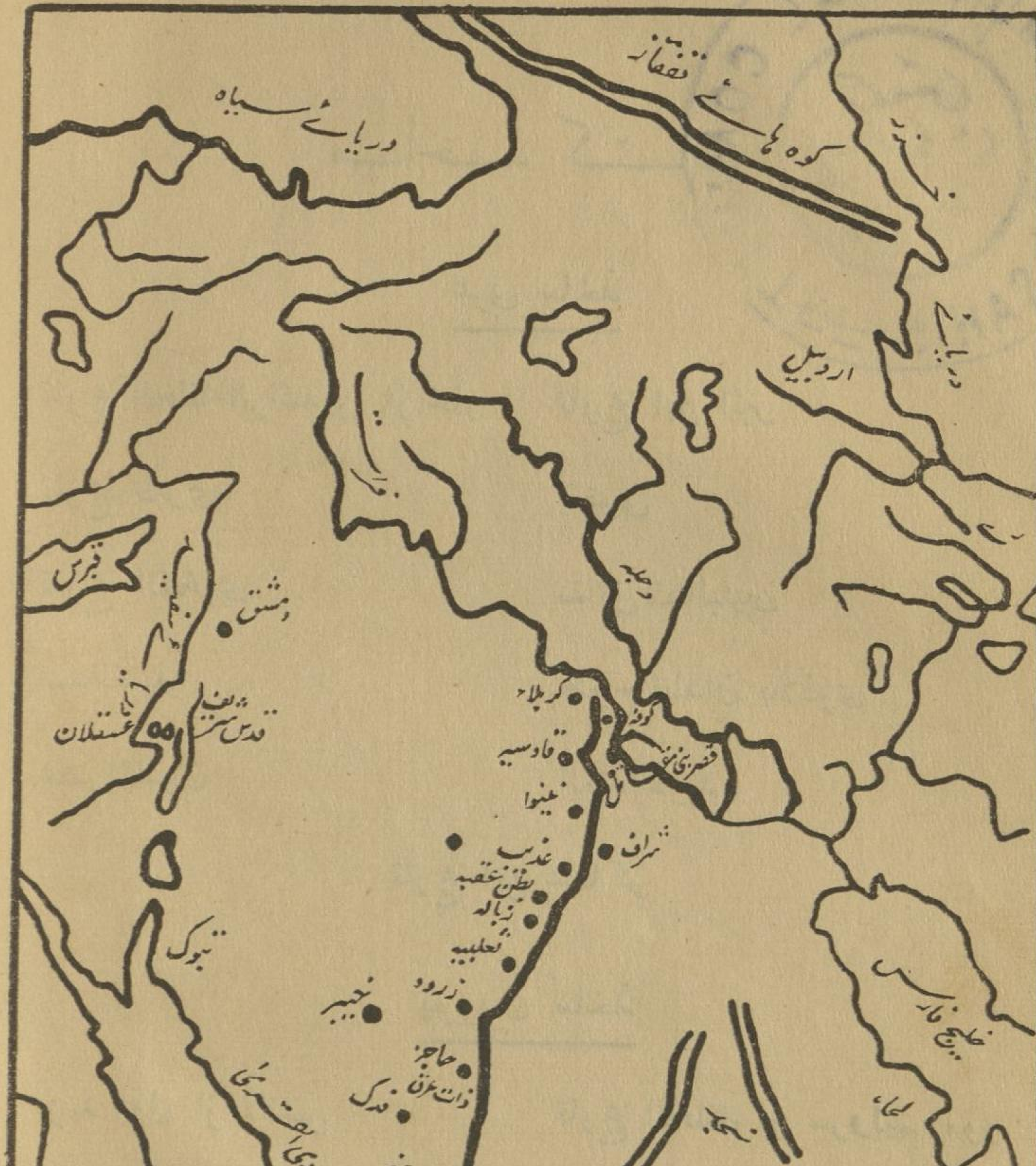
ماخذ کتاب

عربی ماخذ

تاریخ الخلفاء الراشدین از نجار
تاریخ ابن اثیر
تاریخ طبری
یعقوبی
تاریخ الفخری
مقاتل الطالبئیین
اسدالغابہ
فتوح البلدان بلاذری
عصرالمامون
العقدالفرید
تاریخ ابن عساکر

یورپین ماخذ

یزید اول از لامنس
تاریخ الخلفاء از سرولیم مور
معاویہ از لامنس
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا



نقشه سفر حضرت امام حسین علیه السلام از مکه تا کربلاء

مقدمہ

(شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)

مؤرخ کا فرض ہے کہ تاریخی واقعات و حالات بیان کرتے ہوئے وہ جنبہ‌داری اور طرفداری سے کام نہ لے بلکہ پوری دیانتداری اور انصاف کے ساتھ معاملہ کے ہر پہلو پر روشنی ڈالے۔ لیکن افسوس ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ جب ہم تاریخ لکھنے بیٹھتے ہیں تو اپنے خیالات، اپنے معتقدات اور اپنے عقائد کی عینک سے پیش آمدہ واقعات کو دیکھتے ہیں اور اُنہی کے مطابق اُن پر حکم لگاتے ہیں۔ ایک فریق کو معصوم اور دوسرے کو مردود قرار دیتے ہیں۔ اور کتاب کے آخر تک ہمارا یہی رویہ رہتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ صداقت پسند اور منصف مزاج حضرات کا یہ طریقہ نہ ہونا چاہئے۔

لیکن انصاف و عدل کی صورت اختیار کرنے میں ایک بڑی مشکل اور روک یہ آپڑتی ہے کہ مصنف کی طرح ناظرین بھی کسی ایک خیال کے پیرو ہوتے ہیں۔ اور جب وہ اُس کتاب میں اپنے ممدوح کے خلاف کچھ لکھا ہؤا دیکھتے ہیں تو خواہ وہ کتنی ہی غیر جانبداری کے ساتھ لکھا گیا ہو لیکن اُنہیں پسند نہیں آتا۔ اور وہ مورخ غریب کو برا بھلا کہنے اور اُس کی نیت پر حملہ کرنے لگتے ہیں۔

یہ صورت حال اُس وقت اور بھی زیادہ نازک ہو جاتی ہے جب معاملہ عام تاریخ سے گذر کر مذہب کی حدود میں داخل

ہوجاتا ہے - یعنی جب ہم کسی ایسی محترم ہستی پر کسی مصنف کو نکتہ چینی کرتے دیکھتے ہیں جس کا تقدس مذہبی حیثیت کا ہو تو بغیر ایک لمحہ توقف کے ہم مصنف کو کشتنی اور گردن زدنی قرار دیتے ہوئے کتاب اُٹھا کر پھینک دیتے ہیں - اور حقارت اور نفرت کے جذبات مصنف کی طرف سے ہمارے دل میں جوش مارنے لگتے ہیں - ایسی حالت میں مصنف کا عذرات اور تاویلات پیش کرنا ، انصاف اور صداقت کا واسطہ دلانا ، غور و فکر کی دعوت دینا بے نتیجہ اور بے فائدہ ہوتا ہے - اُس کا کوئی عذر نہیں سنا جاتا - اُس کی کوئی تاویل قبول نہیں کی جاتی اور اُس کی کسی بات پر غور نہیں کیا جاتا - بلکہ اُسے بلا توقف ، بغیر کسی معقول دلیل کے دشمن ، بدنیت اور متعصب سمجھ لیا جاتا ہے - اس ذہنیت کی موجودگی میں سیدھی ، صاف اور سچی بات کہنی ظاہر ہے کہ کس قدر مشکل ہے - اور کس طرح کسی مصنف کو اتنی جرأت ہوسکتی ہے کہ سچی اور منصفانہ بات کہہ کر وہ دنیا جہان میں اپنے کو نکو بنائے ؟ سینکڑوں نہیں ہزاروں تاریخی واقعات پر اس طرح تاریکی کا پردہ پڑا ہؤا ہے کہ عوام کی مخالفت کے ڈر سے مصنف حق بات نہیں کہہ سکے - اور جن مصنفین نے یہ جرأت کی وہ فرقہ پرست اور تعصب کے دیوتا کہلائے -

کچھ ایسی ہی مشکل اس کتاب میں پیش آگئی ہے اور ہر اُس کتاب میں پیش آ جانی چاہئے جس میں حضرت علی رض اور حضرت معاویہ رض یا حضرت امام حسین رض اور یزید کا ذکر کیاجائے - یہ ظاہر ہے کہ سنی حضرت علی رض کا بھی احترام کرتے ہیں اور حضرت معاویہ رض کو بھی اچھا سمجھتے ہیں - لیکن شیعہ حضرات کو حضرت معاویہ رض میں سوائے برائی اور خرابی کے کوئی بھلائی اور خوبی نظر نہیں آتی - سنی

حضرات امام حسین رض کو اگرچہ بہت مقدس سمجھتے ہیں لیکن اُنہیں مذہباً نبیوں کی طرح معصوم نہیں جانتے - پھر بہت سے سنی ایسے بھی ہیں جو یزید کو برا سمجھنے کے باوجود حادثۂ کربلا میں اُس کا زیادہ قصور نہیں بتاتے بلکہ اس سانحہ کی زیادہ تر ذمہ داری ابن زیاد اور شمر پر ڈالتے ہیں - دوسری طرف شیعہ صاحبان کا یہ مذہبی عقیدہ ہے کہ واقعۂ کربلا کی ۱۰۰ فیصدی ذمہ داری یزید کی گردن پر ہے - اور ابن زیاد نے جو کچھ کیا ، یزید کے حکم کے بالکل مطابق اور اُس کی منشا کے عین موافق کیا -

یہاں پہنچ کر مصنف اُسی کشمکش میں پھنس جاتا ہے جس کا ذکر اوپر ہؤا - یعنی حق بات کہے تو ایک فریق کے لعن طعن کا مورد بنے - اپنے ضمیر کو دبا کر صرف واقعات بیان کرنے پر اکتفا کرے تو دوسرے فریق کے سب و شتم کا نشانہ بنے - گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل -

عمرابوالنصر، مصنف کتاب ھذا ، اُن لوگوں میں سے ہے جو اگرچہ حضرت معاویہ رض کو اچھا نہیں کہتے مگر یزید کو تمام واقعات کا پورا ذمہ دار بھی نہیں سمجھتے- ابوالنصر اسی امر کو اپنی حق گوئی اور انصاف پسندی کی دلیل سمجھتا ہے کہ جو شخص حقائق کی روشنی میں اس کے خیال میں جیسا آیا اُس نے ویسا ھی اُسے بیان کردیا -

بحیثیت مترجم کتاب ہم پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ ہم عمر ابوالنصر کے خیالات پر تبصرہ اور محاکمہ کریں - کیونکہ پھر اس سے مخالفت اور منافرت پھیلنے کا اندیشہ ہے ، جس سے بچنے اور الگ رہنے کی ہم انتہائی سعی کرتے ہیں - اس لئے ہم نے نہایت احتیاط کے ساتھ مصنف کے خیالات

اردو دان اصحاب تک پہنچا دئیے ہیں ۔ اُن پر کوئی رائے زنی بالکل نہیں کی ۔ یہ کام ناظرین کرام پر چھوڑتے ہوئے (جن میں سنی اور شیعہ دونوں صاحبان شریک ہیں) اس مقدمہ کو ختم کرتے ہیں ۔ لیکن آخری سطر ختم کرنے سے پہلے یہ ضرور عرض کریں گے کہ حضرت امام حسین رضؓ کی یہ سب سے پہلی سوانح عمری ہے جو پوری جامعیت اور تفصیل کے ساتھ اُردو میں منتقل کی گئی ہے ۔ مصنف کے بعض خیالات سے بیشک آپ کو اختلاف ہو لیکن یہ ہمارا یقین ہے کہ جو کچھ اُس نے لکھا ہے بدنیتی سے نہیں لکھا ۔ بلکہ جس بات کا اُسے یقین ہے اُسے دیانتداری کے ساتھ ظاہر کردیا ہے ۔

مورخہ ۴ ۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء

عرض مؤلف

یہ تمہید لکھنے سے پہلے میں نے کافی عرصہ تک اس امر پر غور کیا کہ آیا میں اس میں کتاب کے موضوعات اور طریقۂ تالیف پر تفصیل سے روشنی ڈالوں یا نہیں ؟ آخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ میں تمہید میں تفصیل و تشریح سے کام نہ لوں بلکہ قارئین کو موقع دوں کہ وہ اصل کتاب کو پڑھیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات زندگی سے جو سبق حاصل ہوتے ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں ۔

اگر میں تمہید میں تفصیل سے کام لیتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ مجھے قدیم مؤلفین و مصنفین پر بحث و تنقید کرنی پڑتی اور بتلانا پڑتا کہ ان مصنفین اور مؤلفین نے اپنی تالیفات کو کس طرح ترتیب دیا ہے ۔ اور حضرت امام حسین رض کی دردناک شہادت کے متعلق انہوں نے کن خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ لیکن یہ کام آسان نہ تھا ۔ ہر مؤلف اور مصنف نے اس بارے میں اپنے لئے علیحدہ راستہ تلاش کیا ہے اور اپنے اپنے عقیدے اور مذہب کے مطابق حضرت امام رض کے حالات زندگی بیان کئے اور واقعۂ شہادت کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے ۔ ان میں سے بعض نے واقعی اعتدال پسندی سے کام لیا ہے لیکن بعض افراط اور تفریط کی طرف بھی چلے گئے ہیں ۔ اگر میں ان سب کتابوں پر بحث و تنقید کرنے بیٹھ جاتا تو جس مقصد کے لئے یہ کتاب تالیف کی گئی ہے وہ فوت ہوجاتا اور میں غیر ضروری مباحث میں الجھ کر رہ جاتا ، جو بے نتیجہ بھی ہوتے اور شاید بعض طبائع کے خلاف بھی ۔

حضرت امام حسین رض کی طرف سے یزید کی خلافت کی مخالفت اور کوفہ کی جانب آپ رض کا سفر ایسے واقعات نہیں ہیں جو یکایک ظہور میں آگئے - بلکہ یہ امور واقعات کی ایک لمبی کڑی کا ایک حصہ ہیں جن کا اختتام آپ رض کی شہادت پر ہؤا - اسی لئے میں نے مناسب سمجھا کہ حضرت امام حسین رض کے اصل حالات شروع کرنے سے پیشتر ان اسباب کا مختصر سا تذکرہ کروں جو حضرت معاویہ رض کی قوت و طاقت کا موجب بنے اور جن کی وجہ سے انہیں یہ جرأت ہوئی کہ انہوں نے اپنی زندگی میں یزید کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد کردیا اور اعیان مملکت سے اس کے لئے بیعت لے لی - اس تسلسل میں میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات زندگی کا بھی مختصر سا بیان درج کتاب کردیا ہے تاکہ قارئین اس تصادم کے عوامل کو معلوم کرسکیں جو حضرت علی رض اور حضرت معاویہ رض کے درمیان رونما ہؤا - جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ دونوں کی اولاد میں بھی ایک دوسرے کے خلاف بغض و عناد کے جذبات پیدا ہوتے، اور بیٹوں کے درمیان بھی اسی شدت سے جھگڑے پیدا ہوتے جس شدت سے والدین کے درمیان ہوئے تھے - ان جذبات کا اثر عام مسلمانوں پر بھی انتہائی دور رس اور گہرا پڑا -

میں نے اس کتاب میں پوری کوشش اس امر کی کی ہے کہ وہی واقعات درج کروں جن کی ثقہ مؤرخین اور مشہور و معروف مؤلفین نے تائید کی ہے اور انہیں اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے - خدا کرے کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب رہوں -

عمر ابوالنصر

خلافت پر اہل بیت کا حق

حضرت امام حسین رض کی شہادت شاید سب سے بڑا سبب ہے جس کے باعث شیعیت نے ایک زبردست حیثیت حاصل کرلی اور شیعہ بالاخر مسلمانوں کا عظیم‌الشان فرقہ بن گئے۔

یورپین مستشرقین بھی اس نظریے کی تائید کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ اگر حضرت امام حسین رض کی شہادت کا واقعہ پیش نہ آتا تو آج شیعہ فرقے کا وجود بھی نہ ہوتا۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ شیعیت کی بنیاد اسی وقت پڑچکی تھی جب رسول‌اللہ ص کی وفات کے معاً بعد حضرت علی رض کی خلافت کا نظریہ پیش کیا گیا تھا۔ یہ نظریہ کہ خلافت صرف اہل بیت کا حق ہے اور ان کا حق انہی کو ملنا چاہئے برابر زور پکڑتا رہا۔ تا آنکہ حضرت امام حسین رض کی شہادت کا جاں گداز واقعہ پیش آیا۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی شہادت سے اس نظریے کو پھلنے پھولنے، پروان چڑھنے اور شدت اختیار کرنے میں بڑی مدد ملی۔

رسول‌اللہ ص کی وفات کے بعد مسلمانوں کو سب سے پہلے جس مسئلے کا سامنا کرنا پڑا وہ خلافت کا مسئلہ تھا۔ یہ مسئلہ متفقہ طور پر حل نہ ہوسکا بلکہ مختلف طبقات کے درمیان اختلاف کا ایک ذریعہ بن گیا۔ ان میں سے ہر طبقہ اپنے آپ

کو خلافت کا جائز مستحق سمجھتا تھا اور اس بارے میں دوسرے کا حق تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔

رسول اللہ ص نے اپنی زندگی میں بطور خود کسی شخص کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد نہیں فرمایا تھا۔ آپ کی وفات کے معاً بعد مسلمانوں کو ایک ایسے وجود کی ضرورت کا احساس ہؤا جو حکومت کا انتظام وانصرام اپنے ہاتھ میں لے سکے اور ملت اسلامیہ کے شیرازے کو بکھرنے نہ دے۔ خلافت کی اہمیت اور ضرورت پر تو تمام مسلمان متفق ہو گئے لیکن خلیفہ کے بارے میں اتفاق نہ ہوسکا۔ انصار کہتے تھے خلیفہ ان میں سے ہونا چاہئے۔ مہاجرین کا کہنا تھا کہ یہ حق انہیں ملنا چاہئے۔ بنو ہاشم کا دعویٰ تھا کہ خلافت صرف اہل بیت کا حق ہے۔

انصار کی دلیل یہ تھی کہ اُنہوں نے نہایت آڑے وقت میں رسول اللہ ص کی مدد کی اور آپ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ یہاں تک کہ تمام ملکِ عرب حضور ص کا مطیع ہوگیا۔ رسول اللہ ص اپنی وفات کے وقت اُن سے نہایت خوش تھے۔

انصار کے مقابلے پر مہاجرین اپنے دعوے کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ رسول اللہ ص پر سب سے پہلے جو لوگ ایمان لائے وہ مہاجرین ہی تھے۔ اُنہوں نے حضور ص کے ساتھ مکے میں کافروں کے ہاتھوں شدید ترین مظالم برداشت کئے لیکن اُف تک نہ کی۔ وہ تھوڑے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے کبھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ وہ رسول اللہ کے ہم قوم اور ہم قبیلہ ہیں۔ وہ قریش میں سے ہیں۔ اہل عرب اگر مطیع ہو سکتے ہیں تو صرف انہی کے سامنے۔ اس لئے وہی خلافت کے حقدار ہیں۔

جب انصار کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ ایک امیر انصار میں سے ہوجائے اور ایک مہاجرین میں سے، تو مہاجرین

نے اس کی سخت مخالفت کی اور کسی طرح اس تجویز پر راضی نہ ہوئے۔ تھوڑی دیر تک سقیفہ بنی ساعدہ میں بحث و مباحثہ کا بازار گرم رہا۔ آخر حضرت ابوبکرصدیق رض کی خلافت پر دونوں فریقوں کا اتفاق ہوگیا اور مہاجرین اور انصار کے درمیان خلافت کا جھگڑا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

انصار نے تو صدق دل سے حضرت ابوبکر صدیق رض کے آگے سرتسلیم خم کر دیا۔ اور متفقہ طور پر ان کی خلافت تسلیم کر لی۔ لیکن حضرت علی رض خلافت پر ان کا حق تسلیم کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہ کرسکے۔ ان کا کہنا تھا کہ خلافت صرف اہل بیت نبوی کا حق ہے اور رسول اللہ ص کا سب سے قریبی عزیز ہی مستحق ہے کہ اسے خلافت کی ذمہ داریاں تفویض کی جائیں۔ خاندان بنوہاشم ، خاندان ابوبکر رض سے زیادہ معزز ہے۔ اور اگر مہاجرین سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے سامنے اپنے دعوے کی تائید میں یہ دلیل پیش کرسکتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ص کے ہم قوم اور ہم قبیلہ ہیں تو آل نبی اور اہل بیت بھی مہاجرین کے سامنے اپنے دعوے کی تائید میں یہی دلیل کیوں نہیں پیش کرسکتے؟

حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر فاروق رض کے عہد خلافت میں مسلمان جنگوں میں مصروف رہے۔ ان کی ساری توجہ اپنے دشمنوں کو زیر کرنے کی طرف رہی اور کسی شخص کو بھی خلافت کے مسئلے پر غور کرنے کی مہلت نہ ملی۔ حضرت عثمان رض کے عہد میں پہلی بار اس فتنے نے سر اٹھایا اور باغی آپ کے حق خلافت کو چیلنج کرنے لگے۔ بالآخر یہ بغاوت آپ کی شہادت پر منتج ہوئی۔ حضرت عثمان رض

کی شہادت کے بعد خلافت حضرت علی رض کے ہاتھ میں آئی۔ اس وقت اھل بیت کی خلافت کے نظریے نے زور پکڑا اور اس نظریے کے حامیوں نے کہنا شروع کیا :۔

'' امامت کا شمار مصالح عامہ میں نہیں ہے کہ جس کو امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے اور جسے وہ منتخب کرے وھی خلیفہ بننے کا مستحق ہو۔ بلکہ یہ دین کا ایک رکن ہے ' جس کے متعلق نبی کبھی غفلت سے کام نہیں لے سکتا اور نہ وہ اسے امت کے سپرد کر سکتا ہے۔ نبی کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں خلیفہ اور امام کا تعین کر جائے۔ چنانچہ رسول اللہ ص نے حضرت علی کو اپنی زندگی میں ھی خلیفہ نامزد فرمادیا تھا۔'' اپنے اس دعوے کے ثبوت میں انہوں نے چند احادیث بھی پیش کیں۔

اس نظریے کے تحت حضرت علی رض کا لقب وصی قرار دیا گیا اور وجہ تسمیہ یہ بتائی گئی کہ رسول اللہ ص نے اپنے بعد حضرت علی رض کی خلافت کے لئے وصیت فرما دی تھی۔ اس لئے آپ رسول اللہ ص کے وصی ٹھہرے۔

یہی نظریہ تھا جس نے مسلمانوں کو حضرت علی رض کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسن رض کی بیعت کرنے پر آمادہ کیا۔ اسی نظریے کی وجہ سے جب امام حسن رض نے حضرت معاویہ رض کے حق میں خلافت سے دست برداری کا اعلان کردیا تو امام حسین رض نے یہ بات ناپسند کی۔ یہی نظریہ تھا جس کے تحت حضرت امام حسین رض نے یزید کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اور اسی نظریے کے تحت عراق کے مسلمانوں نے حضرت امام حسین رض کی بیعت کی۔

حضرت معاویہ رض کی وفات کے بعد امت مسلمہ تین بڑے بڑے گروھوں میں منقسم ھوگئی۔ پہلا گروہ ان لوگوں کا تھا جو شام میں بنو امیہ کے گرد جمع ھوگئے تھے اور ان کی

خلافت اور سیادت کو تسلیم کرلیا تھا۔ دوسری جماعت اُن لوگوں کی تھی جو بنوہاشم کے گرد جمع ہوگئے تھے۔ اُن کے سردار حضرت امام حسین رض تھے جن کا یہ دعویٰ تھا کہ خلافت کے مستحق صرف وہی ہیں۔ ان دونوں کے سوا ایک تیسرا گروہ تھا جو مذکورہ بالا دونوں گروہوں کا مخالف تھا اور دونوں کو دین اسلام سے خارج سمجھتا تھا۔ یہ گروہ خوارج کا تھا۔ خوارج کا نظریہ یہ تھا کہ خلافت کسی قبیلے یا خاندان کا موروثی حق نہیں ہے بلکہ اس کا انحصار مسلمانوں کے باہمی مشورے پر ہے۔ مسلمان مشورہ کرکے جس شخص کو خلیفہ چن لیں وہی شخص خلافت کا مستحق ہے۔

ان تین گروہوں کی آپس میں کبھی مفاہمت نہ ہوسکی اور ان کے درمیان مناقشات کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری رہا۔ حضرت معاویہ رض اور یزید کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رض کی خلافت کا مسئلہ بھی پیدا ہوگیا اور مسلمانوں کے درمیان ایک نئی خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ یہ خانہ جنگی کچھ عرصے تک جاری رہی جس میں بالاخر امویوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رض کو شہید کردیا گیا۔ حضرت امام حسین رض کو کربلا کے میدان میں شہید کرکے اہل بیت کی خلافت کا دعویٰ کرنے والوں کو بظاہر خاموش کردیا گیا لیکن دلوں میں جو آگ سلگ رہی تھی اُسے بجھانا امویوں کے بس کی بات نہ تھی۔ بالاخر اسی آگ نے بھڑک کر بنواُمیہ کی سلطنت کو تباہ کردیا۔

حضرت امام حسین رض ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو خلافت کو عزت اور وجاہت حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ عامۃالمسلمین نے آپ کی بیعت کرنے پر اصرار کیا اور آپ نے یہ دیکھ کہ یزید خلافت کا ہرگز اہل نہیں اُن کی

اس درخواست کو قبول کرلیا - آپ کی بیعت کرنے میں اہل عراق اور بالخصوص اہل کوفہ پیش پیش تھے - انہوں نے آپ کو لکھا کہ آپ عراق تشریف لے آئیے، ہم آپ کی ہر طرح مدد کریں گے اور اگر دشمن سے لڑنا بھی پڑا تو آپ کے دوش بدوش جنگ میں حصہ لیں گے - حضرت امام حسین رض نے اپنا ایک آدمی مزید تحقیق احوال کے لئے کوفہ بھیجا - اس نے وہاں جا کر صورت حال کا جائزہ لیا اور حضرت امام حسین رض کو لکھ بھیجا کہ واقعی یہاں کے باشندے آپ کے ساتھ ہیں - آپ بلاتوقف یہاں تشریف لے آئیں - چنانچہ حضرت امام حسین رض اپنے اہل وعیال اور چند ساتھیوں کے ساتھ عراق تشریف لے گئے -

آپ عراق جا کر اپنے مخالفوں سے جنگ چھیڑنا نہیں چاہتے تھے - اگر آپ کا یہی مقصد ہوتا تو آپ کبھی اپنے ساتھ اپنے اہل وعیال کو نہ لے جاتے - اگر آپ درحقیقت اختلاف اور انشقاق پیدا کرنا چاہتے تو آپ عراق جانے کی اتنی جلدی بھی نہ کرتے - بلکہ مکے میں ہی بیٹھ کر اپنے آدمیوں کے ذریعے مملکت اسلامیہ میں (نعوذباللہ) فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا کر لوگوں کو بغاوت پر اکساتے رہتے - اور اس طرح اپنا ' حقیقی مقصد ' بڑی آسانی اور خوش اسلوبی سے حاصل کرلیتے -

آپ نے کوفے کا قصد صرف اس لئے کیا کہ آپ کو پکا یقین تھا کہ تمام اہل عراق آپ کے ساتھ ہیں - انہوں نے آپ کی بیعت کرلی تھی اور قسمیں کھائی تھیں کہ ہم ہر حال میں آپ کی مدد کریں گے - لیکن جب آپ کو راستے میں معلوم ہؤا کہ کوفے والوں نے غداری کی ہے اور وہ آپ کا ساتھ چھوڑ کر ابن زیاد سے مل گئے ہیں تو آپ نے واپس مکہ جانے کا ارادہ کیا اور اپنے مخالفین سے فرمایا :-

" تم نے تو ہماری مدد سے دست کشی اختیار کرلی اور ہماری بیعت توڑدی اس لئے اب میں تمہیں چھوڑ کر واپس جاتا ہوں

کیونکہ میرے لئے یہ مناسب نہیں کہ میں تم جیسے لوگوں کو دوبارہ اپنی بیعت کی دعوت دوں اور تم سے اپنی تائید اور مدد کے لئے درخواست کروں ۔''

اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام حسین رض امن وامان کے کتنے خواہشمند تھے اور فتنہ و فساد سے کس طرح دور رہنا چاہتے تھے ۔ اگر آپ کی طرح آپ رض کا دشمن بھی امن و سلامتی کی راہ اختیار کرتا اور فتنہ و فساد سے دور رہتا تو حضرت امام حسین رض واپس مکہ تشریف لے آتے اور کبھی اپنے مخالفوں سے تعرض نہ کرتے ۔ لیکن آپ کے مخالفین کی غرض ہی یہ تھی کہ جس طرح ہو حضرت امام حسین رض اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کردیا جائے اور اس طرح یزید کی نظروں میں سرخروئی حاصل کی جائے ۔ اس لئے انہوں نے حضرت امام حسین رض کی صلح جوئیانہ پیش کشوں کو ٹھکرا دیا اور کربلا کا واقعۂ ہائلہ پیش آیا ۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب

مؤرخین نے صریح غلطی سے کام لیتے ہوئے خلافت کے دائرے کو نہایت وسیع کردیا اور اُن بادشاہوں کو بھی ''خلیفہ'' کا لقب دے دیا جو خلفائے راشدینؓ کے بعد بنواُمیہ اور بنو عباس میں ہوئے۔ خلافت کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں کے باہمی مشورہ سے طے پائے اور صرف اُسی شخص کو تفویض کی جائے جو تقویٰ اور طہارت کے اعلیٰ معیار پر پہنچا ہؤا ہو۔ وہ عدل و انصاف کو قائم رکھے۔ کسی شخص کی ناجائز رعایت کا اُس کے دل میں خیال تک نہ آئے۔ وہ مملکت کے خزانے کو اپنا مال نہ سمجھے بلکہ رعایا کا مال خیال کرے۔ اور اُسے اُسی کے فائدے کے لئے خرچ کرے۔ اُس کا ہر عمل اس بات کا آئینہ دار ہو کہ وہ انتہائی مخلص، صادق اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو بخوبی پورا کرنے والا ہے۔

ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے جب ہم شاہان بنواُمیہ کو دیکھتے ہیں تو اُن میں کوئی بات بھی ایسی نہیں پائی جاتی جس کی بنا پر اُنہیں ''خلیفہ'' کے مقدس خطاب سے نوازا جاسکے۔ اُنہوں نے خلافت مسلمانوں کے باہمی مشورہ سے حاصل نہیں کی۔ بلکہ دیگر بادشاہوں کی طرح موروثی طور پر حاصل کی جو باپ کے بعد بیٹے کی طرف اور بھائی کے بعد بھائی کی طرف منتقل ہوتی رہی۔ سیاست کا جو راستہ اُنہوں نے اپنے لئے متعین کیا تھا وہ اس راستے سے بالکل مختلف تھا جس پر خلفاء راشدینؓ گامزن تھے۔

شخصی حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت امیر معاویہ رض نے رکھی۔ اور اس کے خطوط بھی انہوں نے ہی متعین کئے۔ حضرت علی رض اور حضرت معاویہ رض کی باھمی مخالفت بھی اسی سیاست کا نتیجہ تھی جو حضرت معاویہ رض نے اپنے لئے اختیار کی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت معاویہ رض کو جو دنیوی کامیابی نصیب ہوئی وہ حضرت علی رض کو نصیب نہ ہوسکی۔ قبائل عرب کی بڑی تعداد نے حضرت علی رض کو چھوڑ کر حضرت معاویہ رض کی اطاعت قبول کرلی۔ حالانکہ امام الوقت، خلیفۃالمسلمین' حضرت علی ھی تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلامی فتوحات کی کثرت اور مغلوب قوموں کی ساری دولت عرب کے خزانوں میں منتقل ہونے کے بعد یہ قبائل عیش و آرام کی زندگی گزارنا اور رنگ رلیوں میں اپنا وقت صرف کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کی خواھشات اور ارادوں کے راستے میں سب سے بڑی روک حضرت علی رض تھے۔ عیش و آرام سے وہ کوسوں دور بھاگتے تھے اور رنگ رلیوں سے انہیں کسی قسم کا واسطہ نہ تھا۔ وہ انتہائی محنتی شخص اور بڑے منصف مزاج حاکم تھے۔ اُن کا بڑا مقصد حق اور انصاف کی اعلیٰ روایات قائم کرنا تھا۔ کوئی ضعیف اور کمزور آپ کی عدالت سے اپنا حق لئے بغیر واپس نہیں جاتا تھا اور کسی بڑے آدمی کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اپنی بڑائی کی وجہ سے کسی بدعنوانی کا مرتکب ہوسکے۔ آپ کا یہ سلوک صرف دوسروں کے ساتھ ھی نہ تھا بلکہ اپنے بیٹوں، رشتہ داروں، مددگاروں اور دوستوں کے ساتھ بھی یہی سلوک تھا۔ آپ کے سگے بھائی عقیل کا وہ واقعہ کون نہیں جانتا کہ جب انہوں نے بیت المال سے کچھ مال' جس پر اُن کا حق نہیں تھا' مانگا تو حضرت علی رض نے صاف انکار کردیا۔ اس پر وہ حضرت علی رض کو چھوڑ کر حضرت معاویہ رض سے جا ملے۔ انہوں نے عقیل

کو تین لاکھ دینار دینے کا حکم دیا ۔ اس موقع پر عقیل نے اپنا یہ مشہور فقرہ کہا :۔

" ان اخی خیرلی فی دینی ومعاویة خیرلی فی دنیائی "

دینی لحاظ سے میرے لئے میرا بھائی سب سے بہتر ہے اور دنیوی لحاظ سے میرے لئے معاویہ سب سے بہتر ہے ۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایسے بلند کردار شخص سے خود غرض اور لالچی لوگوں کو کوئی اسید نہیں ہوتی اور وہ اس کے اردگرد جمع نہیں ہوتے ۔ ایسے لوگوں کے ملجاوماویٰ حضرت معاویہ رض تھے چنانچہ اس قسم کے ہزاروں اشخاص حضرت علی رض کا ساتھ چھوڑ کر حضرت معاویہ رض سے مل گئے تھے اور اس صلے میں ان سے بیش قرار وظیفے اور انعام وصول کرتے تھے جو انہیں حضرت علی رض سے کسی صورت میں نہ مل سکتے تھے ۔

حضرت علی تقویٰ و طہارت میں اسلام کا مکمل نمونہ ، احکام شریعت کے حد درجہ پابند اور دینی لحاظ سے انتہائی بلند مرتبہ شخص تھے ۔ فقہ اور دینی امور میں آپ کو کمال حاصل تھا ۔ آپ کے ہر عمل میں خواہ وہ حکومت سے تعلق رکھتا ہو یا جنگوں سے ، دینی پہلو غالب رہتا تھا ۔ آپ دنیوی خواہشات کو کبھی حق و انصاف پر غالب نہ آنے دیتے تھے ۔ شہوات نفسانی سے دور بھاگتے تھے اور حرص ولالچ کبھی آپ کے پاس بھی نہ پھٹکتا تھا ۔ لیکن ایک سیاست دان کے لئے جن ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے وہ آپ کے یہاں موجود نہ تھے ۔ سیاست نام ہے جھوٹ اور فریب کا اور کامیاب سیاست‌دان وہی ہوسکتا ہے جو ہر جائز وناجائز حربہ استعمال کرکے اپنے مخالف کو زیر کرسکے ۔ لیکن حضرت علی رض میں یہ بات کہاں تھی ؟ آپ ایک دینی مصلح تھے ۔ دنیا کا ہر کام وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے تھے ۔ بندوں کی خوشنودی

کے لئے نہیں۔ آپ کے اخلاق کی بہترین تصویر وہ ہے جو عدی بن حاتم نے حضرت معاویہ رض کے سامنے بیان کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا:

''حضرت علی رض حق و انصاف پر مبنی بات کہتے ہیں اور جو فیصلہ دیتے ہیں وہ قطعی اور عدل وانصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ حکمت ان کے پہلوؤں سے اور علم ان کے چاروں اطراف سے پھوٹ کر نکلتا ہے۔ دنیا اور اس کی خوش نمائی سے آپ کو وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے۔ رات کی تاریکی میں آپ کو سکون ملتا ہے۔ وہ بےانتہا آنسو بہانے والے اور بےحد غور و فکر کرنے والے آدمی ہیں۔ تنہائی میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہیں۔ سادہ لباس اور روکھی سوکھی روٹی کے دلدادہ ہیں۔ اپنے لئے کسی اعزاز کو پسند نہیں کرتے۔ جب لوگوں سے ملتے ہیں تو عام آدمی کی طرح ملتے ہیں۔ اھل دین کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ مساکین سے محبت کرتے ہیں۔ کوئی بڑا آدمی کسی کمزور پر ظلم کرکے آپ کی سزا سے بچ نہیں سکتا اور کوئی ضعیف اور کمزور آدمی آپ کے انصاف سے مایوس نہیں ہوتا۔ خدا کی قسم میں نے انہیں ایک رات مسجد میں دیکھا۔ رات کافی بیت چکی تھی مگر وہ محراب میں کھڑے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو گرگر کر انکی داڑھی کو تر کر رہے تھے۔ ان کی بےقراری کی کوئی حد نہ تھی۔ وہ کسی انتہائی غمگین وحزین انسان کے مانند رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

'' اے دنیا کیا تو میرے قریب آسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ میں نے تجھے تین طلاقیں دے دیں۔ اب تو میرے پاس کسی طرح راہ نہیں پاسکتی۔''

جس طرح آپ ہروقت اپنے نفس کے محاسبے میں لگے رہتے تھے اسی طرح آپ اپنے کارندوں کا بھی سختی سے محاسبہ کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان میں سے بیشتر آپ سے ناراض

ہو کر آپ کی مدد سے دست کش ہو گئے ۔ ان لوگوں میں مشہور مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی اور آپ کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عباس ہیں ۔ شروع میں یہ دونوں آپ کے بڑے حامیوں اور مددگاروں میں سے تھے ۔ لیکن بعد میں آپ کی حمایت سے علیحدہ ہو گئے ۔ اسی طرح آپ نے حضرت زبیر رض اور حضرت طلحہ رض کو بھی اپنے سے ناراض کرلیا تھا ۔ حالانکہ اگر آپ کچھ نرمی سے کام لیتے تو انہیں اپنے ساتھ رکھ سکتے تھے ۔ ابن عباس رض اور مغیرہ رض بن شعبہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ معاویہ رض اور حضرت عثمان رض کے مقرر کئے ہوئے دوسرے کارندوں کو اس وقت تک بدستور ان کے عہدوں پر برقرار رکھیں جب تک وہ آپ کی بیعت نہ کرلیں اور موجودہ شورش واضطراب ختم ہو کر امن و سکون کی حالت پیدا نہ ہوجائے ۔ اس کے بعد آپ جسے چاہیں معزول کر دیں اور جسے چاہیں برقرار رکھیں ۔ لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا :-

”نہ میں دین کے راستے میں رکاوٹ پیدا کروں گا اور نہ اپنے معاملات میں کسی بے راہ روی کا روادار ہوں گا ۔“

ان دونوں نے کہا :-

”اگر آپ حضرت عثمان رض کے مقرر کئے ہوئے عمال کو برطرف ہی کرنا چاہتے ہیں تو کم از کم معاویہ رض کو باقی رہنے دیں ۔ کیونکہ معاویہ رض کی طاقت بڑی زبردست ہے اور اہل شام ان کے پوری طرح مطیع ہیں ۔ اس میں آپ کے لئے کسی اعتراض کی گنجائش بھی نہیں ہے کیونکہ آپ سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب انہیں شام کا عامل مقرر کرچکے ہیں ۔“

لیکن حضرت علی رض نے انہیں برقرار رکھنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا :-

”خدا کی قسم میں دو دن کے لئے بھی معاویہ رض کو برسراقتدار نہیں رہنے دوں گا ۔“

دھوکا بازی اور حیلہ جوئی کو آپ کے مذہب میں کوئی دخل نہ تھا ۔ ہمیشہ حق بات کہتے تھے اور اس بات کی پروا نہ کرتے تھے کہ کوئی ناراض ہوتا ہے یا خوش ۔ ایک خطرناک جنگ کے بعد جس میں آپ کے لشکر نے مخالفین کو شکست فاش دے دی ، آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا :-

" خبردار ، دشمنوں میں سے کسی کو قیدی نہ بنانا ۔ کسی زخمی پر ہاتھ نہ اٹھانا اور کسی کا مال نہ چھیننا "

آپ کے لشکر نے ان ہدایات پر پوری طرح عمل کیا ۔ نہ کسی کو قیدی بنایا نہ کسی زخمی پر ہاتھ اٹھایا اور نہ کسی کا مال چھینا ۔ جب آپ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ امیرالمومنین ! جب کہ آپ نے ان کو قیدی بنانے اور ان کا مال لینے سے منع فرما دیا ہے تو پھر ہمارے لئے ان لوگوں سے لڑنا کس طرح جائز ہؤا ؟ تو حضرت علی رض نے جواب میں فرمایا :

" موحدین اور کلمہ گوؤں کو نہ قیدی بنایا جاسکتا ہے اور نہ ان کے اموال سے کسی قسم کی غنیمت حاصل کی جاسکتی ہے - البتہ اگر وہ سرکشی کریں تو ان سے لڑنا جائز ہے ۔ اس لئے تم ان باتوں کو جن کی تہہ کا تمہیں پتہ نہیں ہے چھوڑدو اور جو کچھ تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر کاربند رہو "

حضرت علی رض کی اپنے دشمنوں پر مہربانی کی ایک نہیں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں ۔ صفین میں جہاں آپ کی فوجوں کی مڈھ بھیڑ حضرت معاویہ رض کی فوجوں سے ہوئی تھی ، حضرت معاویہ رض کی فوجوں نے پانی پر قبضہ کرلیا تھا اور حضرت علی رض کی فوج کو پانی لینے کی اجازت دینے سے صاف انکار کردیا تھا ۔ لیکن جب اتفاق سے بعد میں پانی پر حضرت علی رض کی فوجوں کا قبضہ ہوگیا تو آپ نے معاویہ رض کی طرح ان کی فوج کو پانی لینے سے نہیں روکا بلکہ اجازت دیدی کہ

جو چاہے دریا سے پانی لے سکتا ہے - اسی طرح حضرت معاویہ رض نے اپنی سیاسی دعوت کو کامیاب بنانے کے لئے حضرت علی رض کو برسر عام برا بھلا کہنے کا طریقہ نکالا تھا - لیکن حضرت علی رض نے اپنے مددگاروں اور حامیوں کو سختی سے منع کردیا تھا کہ معاویہ رض کو برا بھلا نہ کہا جائے - ایک مرتبہ جب آپ کو یہ خبر ملی کہ حجر بن عدی اور عمرو بن الحمق حضرت معاویہ رض کو برا بھلا کہتے اور اہل شام پر لعن طعن کرتے ہیں تو آپ نے ان دونوں کو بلا بھیجا اور ان سے اس حرکت کا سبب پوچھا - انہوں نے کہا :

” یا امیرالمومنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں ؟ “

حضرت علی رض نے فرمایا ” بیشک ہم حق پر ہیں لیکن مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تمہارا شمار گالیاں دینے والوں اور لعنت ملامت کرنے والوں میں کیا جائے - تم لعنت ملامت کرنے کے بجائے یہ دعا کرو کہ ” اے اللہ! ہمارے درمیان جو خونریزی ہو رہی ہے اسے بند کردے - ہمیں آپس میں صلح صفائی سے رہنے کی توفیق عطا فرما - انہیں ہدایت دے کہ وہ جہالت کو چھوڑ کر حق کی طرف متوجہ ہوں اور سرکشی کی راہ ترک کرکے صراط مستقیم پر گامزن ہوجائیں - “

ان تمام باتوں کے سوا آپ اپنے نفس اور اپنے عمال کا محاسبہ کرنے میں بھی بڑی سختی سے کام لیتے تھے - جہاں تک ان کا اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کا سوال ہے تو اس میں کسی کو مطلق شبہ نہیں ہوسکتا - عمال کے محاسبے کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپ کے دو ممتاز عامل، مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی اور یزید بن حجمہ تیمی، آپ کی سخت گیری کی تاب نہ لا کر آپ کو چھوڑ کر معاویہ رض سے مل گئے - یزید بن حجمہ کو آپ نے ”رے“ کا حاکم بنایا تھا - اس نے خراج کے بیس ہزار درہم غبن

کرلئے - جب آپ کو اس غبن کا پتہ چلا تو آپ نے اُسے اپنے حضور طلب فرمایا اور پوچھا :

''جو مال تم نے غبن کیا ہے وہ کہاں ہے ؟''

اُس نے جواب میں کہا '' میں نے کوئی غبن نہیں کیا - ''

اس پر حضرت علی رض نے اُسے دروں سے مارا اور پھر قید کردیا - وہ کسی طرح قید سے نکل کر حضرت معاویہ رض کے پاس جا پہنچا - حضرت معاویہ رض نے اس کی بڑی خاطرداری کی اور جو تنخواہ اس کی حضرت علی رض نے مقرر کی ہوئی تھی وہی اس کی شام میں مقرر کردی - یزید بن حجمہ عرصہ دراز تک حضرت معاویہ رض کے پاس شام میں رہا - جب حضرت معاویہ رض نے عراق فتح کیا تو وہ بھی ساتھ تھا - انہوں نے اُس کو عراق کا حاکم بنا دیا -

مندرجہ بالا حالات و واقعات بیان کرنے سے ہمارا مقصد اس سیاست کا چہرہ دکھانا تھا جس پر حضرت علی رض گامزن تھے - ان امور سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی رض اپنی سیاست اور عادات واطوار کے لحاظ سے واقعی اس قابل تھے کہ آپ کو خلافت کی ذمہ داریاں سونپی جاتیں اور سلطنت کی نگہداشت آپ کے سپرد کی جاتی -

امیر معاویہ رض

بنو ہاشم کو نبوت کا شرف حاصل ہؤا تھا ۔ عرب کے کسی دوسرے قبیلے کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ یہ شرف حاصل کرسکتا ۔ رسول اللہ ص کے دعوائے نبوت کے بعد مکہ کے تمام رؤسا نے آپ کی مخالفت پر کمر باندھی اور پوری کوشش کی کہ رسول اللہ ص کا مشن کامیاب نہ ہونے پائے ۔ لیکن خداتعالیٰ نے ان کی کوششوں کو ناکام کیا اور وہ اسلام کو پھلنے پھولنے سے نہ روک سکے ۔ اور ان صنادید عرب کو جو اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے ، خود اسلام کی آغوش میں آنا پڑا ۔ انہی لوگوں میں ابوسفیان اور اس کے بیٹے بھی تھے ۔

یزید بن ابی سفیان نے اسلامی جنگوں میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دئے ، ان کے صلے میں انہیں شام کی ولایت تفویض کی گئی ۔ اُن کی وفات کے بعد شام کی عنان حکومت ان کے بھائی معاویہ رض بن ابی سفیان کے ہاتھ میں آئی ۔ انہوں نے وہاں کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے کیا ۔ اور اسے پورے طور پر اپنے کنٹرول میں کرلیا ۔ وہ وہاں کے حاکم مطلق تھے ۔ جو حکم چاہتے تھے ' دیتے تھے ۔ کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہیں تھی ۔ شام پر معاویہ رض کا اقتدار اتنا وسیع ہوگیا کہ اگرچہ وہ مملکت اسلامیہ کا ایک حصہ اور صوبہ شمار ہوتا تھا لیکن اس کا تعلق دوسری ولایات اور دارالخلافے سے برائے نام رہ گیا تھا ۔ اس طرح گو بنوآمیہ نبوت کا شرف تو حاصل نہ کرسکے مگر دنیوی جاہ وعزت اور حکومت کا منصب انہیں ضرور حاصل ہوگیا ۔ بنوآمیہ نے شام ہی کو اپنا مسکن بنالیا اور وہ

جوق در جوق شام میں جا کر آباد ہونے لگے۔

امیر معاویہ رضؓ نہایت عقل مند، دور اندیش، حوادث سے سبق حاصل کرنے والے اور ناگہانی آفات کا پہلے ہی سے بچاؤ کرلینے والے شخص تھے۔ انہوں نے اپنی فراست سے بھانپ لیا تھا کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب انہیں شام کی ولایت سے معزول کرنے کی کوششیں کی جائیں گی۔ ان کے اقتدار کو چیلنج کیا جائے گا اور ان کے اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔ انہوں نے ایسی صورت حال پیدا ہونے سے پہلے ہی پیش بندیاں شروع کردیں۔ ''بنوکلب'' ایک نہایت ہی طاقتور قبیلہ تھا جو شام میں آباد تھا۔ انہوں نے اس قبیلے کو اپنے ہاتھ میں لینے اور اس کے ذریعے اپنی سلطنت کو مضبوط کرنے کے لئے اس کی ایک لڑکی سے شادی کرلی۔ اُسی لڑکی کے بطن سے یزید پیدا ہؤا۔

حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت علی رضؓ کی بیعت کی گئی تو حضرت معاویہ رضؓ نے فوراً معلوم کرلیا کہ

جس وقت کا دھڑکا تھا وہ وقت آگیا آخر

انہیں یقین ہو گیا کہ حضرت علی رضؓ انہیں کبھی شام کی ولایت پر نہیں رہنے دیں گے بلکہ اُنہیں ہٹا کر کسی ایسے آدمی کو مقرر کر دیں گے جس پر اُنہیں کامل بھروسا ہوگا۔ اس لئے اُنہیں اپنی عافیت اسی میں نظر آئی کہ وہ حضرت علی رضؓ کے خلاف بغاوت کردیں اور اُن سے حضرت عثمان رضؓ کا قصاص طلب کرکے اپنے لئے راہ ہموار کریں۔ اگر حضرت علی رضؓ انہیں شام کی ولایت پر برقرار رہنے دیتے اور ان سے کوئی تعرض نہ کرتے تو یقیناً معاویہ رضؓ حضرت علی رضؓ کی خلافت کو تسلیم کرلیتے۔ انہیں اس سے غرض نہیں تھی کہ کون خلیفہ ہوتا ہے۔ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ انہیں شام کی ولایت سے نہ ہٹایا جائے۔ لیکن جب حضرت علی رضؓ نے انہیں معزول

کرنے اور آئندہ کوئی عہدہ نہ دینے کا فیصلہ کیا تو معاویہ رض نے عمرو بن العاص رض سے مل کر ان کے خلاف بغاوت کردی اور عثمان رض کے انتقام کے مطالبے کے ساتھ ساتھ آپ پر یہ الزام بھی لگایا کہ آپ نے حضرت عثمان رض کی مدد کرنے میں کوتاہی کی اور اپنے طرز عمل سے باغیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ حضرت عثمان رض کی خون آلودہ قمیص اور حضرت نائلہ کی خون آلودہ انگلیوں کو دمشق کی جامع مسجد میں لٹکا دیا گیا جس سے تمام شام میں نالہ و شیون برپا ہو گیا۔ لوگ جوق درجوق مسجد میں آتے اور یہ چیزیں دیکھ کر دھاڑیں مارمار کر روتے۔ اس طرح امیر معاویہ رض نے اہل شام اور عامۃالعرب کو بڑی کامیابی سے اپنی طرف مائل کرلیا۔

جب حضرت معاویہ رض اس طرح لوگوں کو اپنی طرف مائل کرکے اپنی قوت کے بارے میں مطمئن ہوگئے تو انہوں نے حضرت علی رض اور اپنے دوسرے مخالفین کو زیر کرنا چاہا۔ ان کا سب سے بڑا ہتھیار جس کے ذریعے وہ اپنے مخالفین اور قبائل عرب کو زیر کرتے تھے، بذل و عطا تھا۔ وہ لوگوں کو خریدنے کے لئے کثرت سے روپیہ اور مال و اسباب خرچ کرتے تھے۔ طبری نے اس ضمن میں ایک واقعہ اپنی کتاب میں درج کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاویہ رض سرداران قبائل کو روپیہ پیسہ کے ذریعے خریدنے کا کتنا اچھا ملکہ رکھتے تھے۔ طبری لکھتا ہے کہ "امیر معاویہ رض نے تمیم کے ایک مشہور سردار ابومنازل کو ایک موقع پر ستر ہزار درہم دئے۔ ساتھ ہی بعض ایسے سرداروں کو جن کا مرتبہ ابومنازل سے کم تھا، ایک ایک لاکھ درہم دئے۔ ابومنازل نے یہ دیکھ کر امیر معاویہ رض سے کہا:

"آپ نے مجھے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں تھوڑی رقم دے کر قبیلہ تمیم میں ذلیل کردیا۔ کیا میں صحیح النسب

نہیں ہوں ؟ کیا میں عمر کے لحاظ سے دوسرے لوگوں سے ممتاز نہیں ہوں ؟ کیا میں اپنے قبیلے میں معزز ترین فرد نہیں ہوں ؟''

امیر معاویہ رض نے کہا '' بیشک ۔''

ابو سنازل نے کہا '' تب آپ نے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں مجھے تھوڑی رقم کیوں دی ؟ ''

امیر معاویہ رض نے کہا '' میں نے رقم دے کر ان لوگوں کا دین خرید لیا ھے ۔ لیکن چونکہ تم دین دار ھو اور حضرت عثمان رض کی نسبت اچھی رائے رکھتے ھو اس لئے میں نے تمہیں تمہارے دین کے ھی سپرد کردیا ھے ۔''

ابو سنازل نے جواب دیا '' آپ مجھ سے بھی میرا دین خرید لیں ۔''

امیر معاویہ رض نے انہیں بھی ایک لاکھ درھم دینے کا حکم دیدیا ۔

حضرت معاویہ رض پیدائشی سیاست دان اور طبعی طور پر فیاض اور بخشش کرنے والے تھے ۔ ایک شاعر ابوالجہم ان کی صفات کا تذکرہ اس طرح کرتا ھے :

نمیل علی جوانبه کأنا　　اذا ملنا نمیل علی ابینا
نقلبه لنخبر حالتیه　　فنخبر منهما کرماً ولینا

یعنی ''جب ھم ان (معاویہ رض) کی جانب متوجہ ھوتے ھیں تو اس طرح متوجہ ھوتے ھیں کہ گویا وہ ھمارے باپ ھیں ۔ اور جب ھم اُن کے اخلاق و عادات کو دیکھتے ھیں تو ھمیں معلوم ھوتا ھے کہ وہ انتہائی سخی اور نرم دل ھیں ۔''

اس مقام پر ھر شخص کے ذھن میں یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ امیر معاویہ رض نے حضرت عثمان رض کی شہادت کے سبب جو بغاوت کی تھی کیا وہ کھرے اخلاص سے کی گئی تھی تاکہ

حضرت عثمان رض کے قاتلوں کو فی الحقیقت کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ یا اس کی تہہ میں ملوکیت کا جذبہ کار فرما تھا اور وہ اس طرح اپنی حکومت اور سلطنت کو مضبوط کرنا چاہتے تھے۔ اس سوال کا جواب اس گفتگو سے ملتا ہے جو ان کے اور حضرت عثمان رض کی بیٹی عائشہ کے درمیان ہوئی۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ امیر معاویہ رض جب شہادت عثمان رض کے بعد مدینہ میں آئے تو وہ حضرت عثمان رض کے گھر بھی گئے۔ انہیں دیکھ کر حضرت عثمان رض کی بیٹی عائشہ رض رونے لگیں اور بلند آواز سے پکارنے لگیں "وا ابتاہ" (ہائے اباجان)۔ یہ دیکھ کر امیر معاویہ رض نے کہا۔

"اے میری بھتیجی! لوگوں نے ہمیں امان دی اور ہم نے انہیں امان دی۔ ہم نے ان کے لئے ایسا حلم ظاہر کیا جس کے نیچے غیض و غضب پنہاں ہے۔ انہوں نے ہماری ایسی اطاعت قبول کی جس میں کینہ چھپا ہؤا ہے۔ ہر انسان کے ساتھ اس کی تلوار لگی ہوئی ہے اور وہ اپنے مددگاروں کی تلاش میں ہے۔ اگر ہم ان سے عہد شکنی کریں گے تو وہ بھی ہم سے یہی برتاؤ کریں گے۔ اور پھر پتہ نہیں ہم غالب ہوں گے یا وہ۔ بھتیجی! تمہارے لئے امیرالمومنین کی بیٹی ہونا زیادہ اچھا ہے بہ‌نسبت اس کے کہ تمہارا شمار ایسی عورتوں میں ہو جو مسلمانوں کی عزت و ناموس کے درپے ہیں۔"

اس گفتگو سے حضرت معاویہ رض کی سیاست اور آپ کے رجحانات کا اچھی طرح پتہ چل جاتا ہے۔ لیکن آپ کے اخلاق وعادات، سیاست اور طریق کار کی اس سے بھی واضح تصویر آپ کے اس قول سے نمایاں ہوتی ہے:

"میں اپنی تلوار اس جگہ نہیں اٹھاتا جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے۔ اور میں اپنا کوڑا اس جگہ نہیں اٹھاتا جہاں میری زبان کام دے جاتی ہے۔ اگر میرے اور دوسرے لوگوں

کے درمیان ایک دھاگہ ہو تو وہ دھاگہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔''

جب آپ سے پوچھا گیا: ''یہ کیسے۔'' تو آپ نے جواب دیا:

''جب دوسرے لوگ اس دھاگے کو کھینچیں گے تو میں اسے ڈھیلا چھوڑ دوں گا اور اگر دوسرے لوگ اسے ڈھیلا چھوڑ دیں گے تو میں اسے کھینچ لوں گا۔''

آپ کے اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کس قدر حلیم، سیاست کے ماہر اور پرسکون طبیعت کے مالک تھے۔ جب آپ پر مشکلات نازل ہوتی تھیں اور مصائب کی گھنگھور گھٹائیں چھانے لگتی تھیں تو آپ نہ صرف اپنے اعصاب پر قابو پا کر ان مشکلات اور مصائب سے بچ نکلنے کے طریقے دریافت کرلیتے تھے بلکہ اُلٹا اپنے دشمنوں کو نت نئی مشکلات اور مصائب میں مبتلا کردیا کرتے تھے۔ امیر معاویہ رض نے سیاسی زندگی میں جس طریقے سے کام کیا اس کے بارے میں شعبی کا مندرجہ ذیل قول حقیقت پر مبنی ہے:۔

''معاویہ اصیل اونٹ کے مانند ہیں کہ جب تک اسے کچھ کہا نہ جائے وہ برابر چلتا رہتا ہے۔ لیکن جب اس پر سختی کی جائے تو وہ ٹھہر جاتا ہے اور ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھاتا۔''

ایک سیاست دان حلیم نہیں ہوسکتا کیونکہ سیاست اور حلم کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ سیاست دان کو بسا اوقات اپنا کام نکالنے کے لئے ایسی باتیں کرنی پڑتی ہیں جو حلم کے سراسر منافی ہوتی ہیں۔ لیکن امیر معاویہ رض کا یہ کمال تھا کہ وہ بیک وقت اعلیٰ درجے کے سیاست دان بھی تھے اور انتہا درجہ کے حلیم بھی۔ اس کی بہترین مثال حضرت امام حسن رض کو خلافت سے دست برداری پر آمادہ کرنے کا واقعہ ہے۔ آپ نے انہیں خط لکھا کہ تقویٰ اور طہارت کے لحاظ سے آپ سے بہتر اور کوئی شخص خلافت کے لئے موزوں نہیں ہے اور اگر

مجھے یقین ہوتا کہ آپ امور خلافت کو بھی احسن طریقے سے چلا لیں گے اور اُمت کو ہر قسم کی مشکلات سے محفوظ رکھیں گے تو سب سے پہلے جو شخص آپ کی بیعت کرتا وہ میں ہوتا - لیکن موجودہ صورت حال میں آپ کے لئے یہ مناسب ہے کہ آپ خلافت سے دست بردار ہوجائیں - اس کے بدلے میں جو آپ چاہیں گے میں آپ کی خدمت میں پیش کردوں گا "

اس خط کے ساتھ ہی امیر معاویہ رض نے انہیں ایک سفید کاغذ جس کے نیچے اُن کی مہر لگی ہوئی تھی ، بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ " آپ اس کاغذ پر اپنے لئے جو کچھ لکھدیں گے میں اُسے قبول کرلوں گا - "

اس طرز تحریر کا امام حسن رض پر بڑا اثر پڑا اور اُنہوں نے امیر معاویہ رض کے لکھنے کے مطابق خلافت سے دست برداری کا اعلان کردیا اور اس سفید کاغذ پر اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے مال و منال اور جائدادوں کی تفصیل لکھ دی جو امیر معاویہ رض نے بڑی خوشی سے اُنہیں دینی منظور کرلیں -

حضرت امیر معاویہ رض نے اپنی سلطنت کے مختلف علاقوں کے لئے جن حاکموں کا انتخاب کیا وہ بھی عقلمندی ، متانت اور ذکاوت میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے - عمرو بن العاص ، زیاد بن ابیہ ، مغیرہ بن شعبہ وہ لوگ تھے جنہوں نے امیر معاویہ رض کی سلطنت کو مضبوط کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور جنہوں نے عام لوگوں کی ہمدردیاں خریدنے ، اپنے مخالفوں کو زیر کرنے اور جہاں حلم و نرمی کی ضرورت ہو وہاں بردباری برتنے اور جہاں سختی اور شدت کا تقاضا ہو وہاں سختی برتنے میں اپنے سیاسی رہنما کے دوش بدوش کام کیا -

زیاد بن ابیہ حاکم کوفہ نہایت سخت دل انسان تھا - لوگ اُس کے نام سے کانپتے تھے - لیکن سختی کے ساتھ ساتھ جہاں موقع

دیکھتا نرمی سے بھی کام لیتا تھا - اور مخالفوں کا منہ روپے پیسے سے بند کردیتا تھا - چنانچہ جب اُسے ایک باثر اور بارسوخ خارجی ابوالخیر کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ ہؤا تو اُس نے اس خارجی کو بلا کر نیشاپور اور ملحقہ علاقے کا عامل مقرر کردیا - چارہزار درہم ماہوار وظیفہ اور ایک لاکھ درہم سالانہ تنخواہ مقرر کردی - اس تدبیر سے ابوالخیر رام ہوگیا - بعد میں وہ کہا کرتا تھا کہ ''میں نے اطاعت اختیار کرنے اور جماعت میں شامل رہنے سے زیادہ بہتر طریقہ نہیں دیکھا -''

یہی حال مغیرہ بن شعبہ کا تھا - ایک مرتبہ وہ جمعے کا خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص حجربن عدی نے ان پر کنکر پھینکے - وہ فوراً منبر سے اُترے اور محل میں چلے گئے - وہاں سے اُنہوں نے پانچ سو درہم حجربن عدی کو بھجوادئے - لوگوں نے مغیرہ سے پوچھا کہ '' آپ نے حجر کے ساتھ اس قدر نیک سلوک کیوں کیا حالانکہ آپ کی اُس سے شدید مخالفت ہے ؟ ''
اُنہوں نے جواب دیا :

''میں نے اس رقم سے اُسے قتل کردیا ہے -''

اپنے مخصوص طریقوں کی بدولت امیرمعاویہؓ نے اپنے دشمنوں پر جو کامیابی حاصل کی اُس کی اہمیت کا اندازہ خود انہیں بھی تھا - چنانچہ وہ کہتے ہیں :

''چار خصائل کی وجہ سے علیؓ مجھ سے مات کھا گئے - (۱) وہ اپنا بھید کسی سے چھپاتے نہیں لیکن میں اپنا بھید کسی پر ظاہر نہیں کرتا - (۲) وہ نہایت بےفکر شخص ہیں - جب تک مصیبت اُن پر پوری طرح نازل نہ ہوجائے وہ اس سے بچاؤ کی کوئی تدبیر اختیار نہیں کرتے - لیکن میں پہلے سے ہر مصیبت کا سامنا کرنے اور اُس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتا ہوں - (۳) اُنہیں بدترین لشکر سے پالا

پڑا ہے جو اُن کے احکام کی مطلق پروا نہیں کرتا ۔ لیکن میرا لشکر میرے احکام سے سرتابی کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا ۔ (۳) اُنہیں قریش کی حمایت میسر نہیں ۔ لیکن مجھے ان کی پوری حمایت حاصل ہے ۔ انہی وجوہات کی بنا پر میں نے جو کچھ چاہا حاصل کرلیا لیکن علی رض نے جو کچھ چاہا وہ آسے حاصل نہ کرسکے ۔''

خود حضرت علی رض بھی امیرمعاویہ رض کی اس کامیابی کے معترف تھے ۔ چنانچہ اُنھوں نے زیادبن ابیہ کو اس زمانے میں جب وہ آپ کا مطیع وفرمانبردار تھا ، ایک علاقے کا حاکم مقرر کرتے ہوئے منجملہ اور باتوں کے یہ فقرہ بھی لکھا تھا :

''معاویہ میں یہ طاقت ہے کہ وہ لوگوں کو ہرچہار طرف سے اپنی جانب کھینچ لیتے ھیں اس لئے تم ڈرتے ہی رہنا ۔''

اپنی بے نظیر سیاست اور قابلیت سے کام لے کر امیرمعاویہ رض نے اپنے راستے سے ہر کانٹے کو دور کردیا ۔ اور بڑی شان سے عرصہ دراز تک حکومت کی ۔ اپنی زندگی میں ھی اُنھوں نے اپنے بیٹے یزید کے لئے لوگوں سے بیعت لے لی ۔ ان کا خیال تھا کہ اُنھوں نے اپنے ہر مخالف کو زیر کرلیا ہے ۔ تمام عرب ان کے زیرنگین ھوچکا ہے ۔ ان کے احکام سے سرتابی کرنے کی کسی شخص کو مجال نہیں ہے ۔ غرضیکہ یزید کے لئے ہر قسم کی راہ ھموار کرلی گئی ہے اس لئے ان کے بعد یزید کو کسی خاص مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور وہ کاروبار حکومت بڑے اطمینان سے چلاسکے گا ۔ لیکن یہ ان کی محض خوش فہمی تھی ۔ تعجب ہے کہ انتہائی فطانت ، ذکاوت اور دور اندیشی کے باوجود انھوں نے اپنے ذھن میں ان خیالات کو کس طرح جگہ دے دی ! ۔ یزید ان کی طرح عقلمند ، دوراندیش ، حلیم اور فیاض نہیں تھا ۔ اسے نہ دین سے کچھ

واقفیت تھی نہ امور سیاست سے۔ دن رات لہوولعب اور راگ رنگ کی محفلوں میں مشغول رہتا تھا۔ ایسے شخص کو اُمت کے سر پر مسلط کردینا کسی صورت میں بھی مناسب نہ تھا۔ گو اُس وقت مسلمانوں میں بہت سی خرابیاں راہ پاچکی تھیں تاہم ابھی اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا۔ کئی صحابہ بقید حیات تھے۔ امیر معاویہ رض اگرچہ پدری محبت کی وجہ سے اور اُن کے حاشیہ نشین خوشامد کے باعث یزید کی ولی عہدی پر راضی ہوگئے تھے لیکن عامۃالمسلمین کبھی اس پر مطمئن نہ ہوسکتے تھے۔ ان کے نزدیک خلیفہ کے لئے تین خصوصیات کا حامل ہونا ضروری تھا۔ (۱) وہ علم و فضل کے لحاظ سے ممتاز حیثیت رکھتا ہو۔ (۲) اعلیٰ حسب ونسب کا مالک ہو۔ (۳) تقویٰ اور اخلاص میں تمام مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر ہو۔ لیکن یزید میں سوائے دوسری شرط کے باقی دو شرطیں مفقود تھیں۔

جب حضرت معاویہ رض کی وفات کا وقت نزدیک آیا تو آپ نے یزید کو بلایا اور اسے حسب ذیل وصیتیں کیں:

”اے میرے بیٹے! میں نے تمہارے راستے سے تمام کانٹے دور کردئے ہیں۔ تمہارے دشمنوں کو زیر کردیا ہے۔ عرب کی گردنیں تمہارے سامنے جھکا دی ہیں اور ایسا خزانہ جمع کردیا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ میرے ان احسانات کا شکریہ تم پر اس طرح واجب ہے کہ تم اہل حجاز سے مہربانی اور اُلفت سے پیش آنا کیونکہ وہ تمہاری اصل ہیں۔ جو حجازی تمہارے پاس آئے اس کی خبرگیری کرتے رہنا۔ اہل عراق کا بھی خیال رکھنا۔ اگر وہ چاہیں کہ ہر روز ان کے لئے نیا عامل مقرر کیا جائے تو ایسا کر دینا کیونکہ عاملوں کا معزول کردینا اس سے آسان ہے کہ ایک لاکھ

تلواریں تمہارے مقابلے میں میان سے باہر نکل آئیں - اہل شام سے بھی حسن سلوک سے پیش آنا - انہیں اپنا رازدار بنانا - اگر دشمن سے کسی قسم کا خطرہ ہو تو ان سے مدد لینا - لیکن جب دشمن کی مدافعت کرچکو تو انہیں اپنے اپنے شہروں کو واپس بھیج دینا کیونکہ دوسرے شہروں میں رہنے سہنے سے ان کے اخلاق و عادات بدل جانے کا اندیشہ ہے -

خلافت کے معاملے میں صرف چار قریشی ہی تمہارے حریف ہوسکتے ہیں - حسین بن علی رض - عبداللہ بن عمر رض - عبداللہ بن زبیر رض اور عبدالرحمان بن ابی بکر رض - ابن عمر کو تو عبادت نے تھکا دیا ہے - جب دوسرے لوگ تمہاری بیعت کرلیں گے تو وہ بھی کرلیں گے - حسین بن علی رض سادہ مزاج ہیں - اہل عراق انہیں ضرور تمہارے مقابل لا کر رہیں گے - اگر وہ تمہارے مقابلے میں آئیں اور تم کامیاب ہوجاؤ تو درگذر سے کام لینا کیونکہ وہ ہمارے قریبی عزیز ہیں - ان کا ہم پر بڑا حق ہے - وہ رسول اللہ ص کے نواسے ہیں - عبدالرحمن بن ابی بکر رض کی توجہ عیش و آرام کی طرف ہے - - جیسا وہ دوسروں کو کرتا دیکھیں گے خود بھی کریں گے - البتہ جو شخص شیر کی طرح گھات لگائے گا اور لومڑی کی طرح چالیں چلے گا وہ عبداللہ بن زبیر رض ہے - اگر وہ مقابلہ کرے اور تم کامیاب ہوجاؤ تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردینا - لیکن جہاں تک ممکن ہو قوم کو عام خونریزی سے بچانا -"

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ یزید امیر معاویہ رض کے مرض الموت میں آپ کے پاس موجود نہ تھا - آپ نے مندرجہ بالا وصیتیں ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ کے ذریعے اس تک پہنچائی تھیں -

حضرت معاویہ رض نے یکم رجب ۶۰ ھ (مطابق ۷ جولائی ۶۸۰ء) ہفتے کے روز وفات پائی - انتقال کے وقت آپ کی عمر پچھتر سال تھی - آپ نے انیس سال تین ماہ ستائیس دن حکومت کی -

حسین رض بن علی رض

حضرت امام حسین رض ۵ شعبان ۴ ھ مطابق ۵ جون ۶۲۶ء کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ص نے حسین نام رکھا۔ حضور ص کی وفات کے وقت اُن کی عمر سات سال سات ماہ اور سات دن کی تھی اس لئے انہیں حضور ص کی صحبت سے اتنا فیض حاصل کرنے کا موقعہ نہ ملا جتنا اُن کے والد حضرت علی رض کو ملا تھا۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ص ان سے اور اُن کے بڑے بھائی حضرت امام حسن رض سے بہت محبت کرتے تھے اور انہیں دیکھنے کے لئے روزانہ حضرت فاطمہ رض کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اُنہیں بلا کر پیار کرتے تھے اور کھلاتے تھے۔ ایک اصحابی بیان فرماتے ہیں * کہ ایک دفعہ رسول اللہ ص مغرب یا عشا کی نماز کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے اپنی گود میں حسن یا حسین کو اُٹھا رکھا تھا۔ نماز پڑھانے کے وقت آپ نے انہیں اتار کر اپنے قریب بٹھا دیا اور نماز شروع کردی۔ جب آپ سجدہ میں گئے تو ایک طویل عرصہ تک آپ سجدے میں ہی مشغول رہے۔ کافی دیر کے بعد میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بچہ رسول اللہ ص کی پیٹھ پر سوار ہے اور آپ سجدے میں ہی پڑے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں پھر سجدے میں چلا گیا۔ جب نماز ختم ہوگئی تو لوگوں نے رسول اللہ ص سے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! آپ نے ایک سجدہ بے حد طویل کر دیا۔ ہمارا خیال ہے کہ یا تو کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آگیا ہے یا آپ پر اس دوران میں وحی نازل ہوتی رہی ہے''؟

رسول اللہ ص نے فرمایا '' ان دونوں باتوں میں سے کوئی

---

* تیسیرا لوصول الی جامع الاصول جلد ۳ صفحہ ۸۰

بات بھی واقع نہیں ہوئی ۔ میرا بیٹا مجھ پر سوار ہو گیا تھا ۔ میں نے اسے ہٹانا پسند نہ کیا ''۔

ایک دفعہ حضورؐ حضرت فاطمہؓ کے گھر کے قریب سے گزرے تو آپ نے حضرت امام حسینؓ کے رونے کی آواز سنی ۔ آپؐ گھر کے اندر تشریف لائے اور اپنی بیٹی سے فرمایا '' کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے اس کے رونے سے تکلیف پہنچتی ہے'' ؟

حضرت امام ترمذیؓ نے اپنی کتاب میں حضرت اسامہ رضؓ بن زید رضؓ کی ایک روایت درج کی ہے ۔

اسامہ رضؓ بن زید رضؓ کہتے ہیں کہ میں کسی ضرورت کے لئے رات کے وقت رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہؤا ۔ آپؐ کوئی چیز چادر میں چھپائے ہوئے باہر تشریف لائے ۔ جب میں اپنی بات پوری کر چکا تو میں نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ چادر میں کیا چھپائے ہوئے ہیں ؟ آپ نے چادر ہٹائی تو اس کے نیچے سے حسن اور حسین ظاہر ہوئے ۔ آپ نے فرمایا ''یہ دونوں میرے بچے اور میری لڑکی کے لڑکے ہیں ۔ اے اللہ ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں ۔ تو بھی ان دونوں سے اور ان سے محبت کرنے والوں سے محبت فرما '' ۔

ایک مرتبہ رسول اللہؐ مسجد میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ حسن اور حسین مسجد میں داخل ہوئے ۔ وہ دونوں سرخ رنگ کے کرتے پہنے ہوئے تھے اور صغرسنی کی وجہ سے چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے ۔ رسول اللہؐ یہ دیکھ کر منبر پر سے اترے اور ان دونوں کو گود میں لے کر اپنے پاس منبر پر بٹھا لیا اور پھر فرمایا : —

'' خدا تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ مال اور اولاد انسان کے لئے فتنہ اور امتحان ہوتے ہیں ۔ میں نے دیکھا کہ یہ دونوں

بچے چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے خطبہ چھوڑ کر ان دونوں کو اٹھا لیا ''۔

حضرت عمرؓ بھی آپ پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے بہت محبت کرتے تھے اور ہمیشہ ان دونوں کو اپنے لڑکوں پر مقدم رکھتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے لوگوں میں کچھ رقم تقسیم کی اور اس میں سے ان دونوں بھائیوں کو دس دس ہزار درہم دئے۔ یہ دیکھ کر آپ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر نے کہا :۔

''آپ جانتے ہیں کہ میں بہت پہلے اسلام لایا اور پھر ہجرت بھی کی ۔ اس پر بھی آپ ان دونوں لڑکوں کو مجھ پر ترجیح دیتے ہیں ؟ ''

حضرت عمرؓ نے فرمایا :۔

عبداللہ مجھے تمہاری یہ بات سن کر بہت رنج ہؤا ۔ تم بتاؤ کیا تمہارا نانا ان کے نانا کے مانند ہے ؟ کیا تمہاری ماں ان کی ماں کے مانند ہے ؟ کیا تمہاری نانی ان کی نانی کے مانند ہے ؟ کیا تمہارا ماموں ان کے ماموں کے مانند ہے ؟ کیا تمہاری خالہ ان کی خالاؤں کے مانند ہے ؟ کیا تمہارا چچا ان کے چچا کے مانند ہے ؟ کیا تمہاری پھوپھی ان کی پھوپھی کے مانند ہے ؟ سنو ان کے نانا رسول اللہؐ ہیں ۔ ان کے والد حضرت علیؓ ہیں ۔ ان کی والدہ حضرت فاطمہؓ ہیں ۔ ان کی نانی حضرت خدیجہؓ ہیں ۔ ان کے ماموں رسول اللہؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ ہیں ۔ ان کی خالائیں رسول اللہؐ کی صاحبزادیاں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ ہیں ۔ ان کے چچا جعفرؓ بن ابی طالب ہیں اور ان کی پھوپھی ام ہانی بنت ابی طالب ہیں ۔

جب بیت المال سے مسلمانوں کے وظیفے مقرر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ان دونوں بھائیوں کا وظیفہ ان کے والد حضرت علیؓ کی طرح پانچ پانچ ہزار درہم مقرر کیا۔ حالانکہ اصحاب بدر کے لڑکوں کو دو دو ہزار درہم وظیفہ ملتا تھا۔

ایک مرتبہ یمن سے کچھ حلے مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ لوگ وہ حلے پہن کر خوشی سے باہر نکل آئے۔ حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ لوگ آپ کے پاس آتے اور آپ کو سلام کرتے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت حسنؓ اور حسینؓ بھی اپنی والدہ حضرت فاطمہؓ کے گھر سے نکلے لیکن انہوں نے کوئی حلہ پہنا ہؤا نہیں تھا۔ انہیں دیکھتے ہی حضرت عمرؓ بے قرار ہو گئے اور آپ نے لوگوں سے فرمایا :—

" مجھے تم لوگوں کو حلے دینے سے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔"

لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا :۔

" ان دونوں بچوں کی وجہ سے دوسرے لوگ حلے پہنے ہوئے ہیں لیکن ان کے جسم حلوں سے خالی ہیں"۔

یہ کہ کر اسی وقت یمن کے عامل کو فرمان لکھا کہ حسنؓ اور حسینؓ کے لئے فی الفور دو عمدہ حلے بھیج دو۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ جب حلے آگئے تو حضرت عمرؓ نے انہیں حسنؓ اور حسینؓ کو پہنایا اور فرمایا :—

" اب مجھے سچی خوشی حاصل ہوئی "

ابن خلدون اور بعض دوسرے مؤرخ لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ اس لشکر میں موجود تھے جس نے مصر کی فتح کے بعد افریقہ کے دوسرے

علاقوں پر چڑھائی کی تھی اور یہ دونوں اسلامی لشکر کے ساتھ جس میں کئی صحابہ بھی شامل تھے، مغرب اقصیٰ تک پہنچ گئے تھے۔

طبری نے اپنی کتاب "تاریخ الامم والملوک" میں لکھا ہے کہ ان دونوں نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں طبرستان کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تھا۔ یہ جہاد ۳۰ھ مطابق ۶۵۰ء میں ہؤا۔

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ دونوں بھائی ہر وقت اسلام کی حمایت میں دشمنوں کے سامنے سینہ سپر رہتے تھے اور ہر شہر و قصبہ پر اسلامی علم گاڑنے میں پیش پیش تھے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب اسلام میں پہلی بار فتنہ برپا ہؤا اور باغیوں نے مدینہ میں داخل ہو کر آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو حضرت امام حسینؓ بھی ان معدودے چند نوجوانوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے باغیوں کا مقابلہ کیا۔ اس واقع کی تفصیل اس طرح ہے کہ جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر کے پانی بند کر دیا اور آپ کے قتل کا ارادہ کیا تو حضرت علیؓ نے پانی کی تین مشکیں آپ کے گھر بھیجیں اور اپنے دونوں بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ کو بھی ہتھیار دے کر آپ کے گھر بھیج دیا اور انہیں حکم دے دیا کہ تم تلواریں لے کر عثمانؓ کے دروازے پر کھڑے رہو اور کسی شخص کو جو بری نیت سے عثمانؓ کے گھر میں داخل ہونا چاہے، دروازہ پر قدم نہ رکھنے دو۔

حضرت علیؓ کی طرح حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت طلحہؓ اور چند اور صحابہ نے بھی اپنے لڑکوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے آن کے گھر پر بھیج دیا۔

ایک روز حضرت عثمانؓ نے اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر ایک تقریر فرمائی - لیکن باغیوں نے آپ سے نہایت نامناسب سلوک کیا اور ان پر پتھر اور تیر پھینکنے شروع کئے - آپ کی حفاظت کرتے ہوئے حضرت امام حسنؓ بھی زخمی ہو گئے - باغیوں کو خوف پیدا ہؤا کہ کہیں بنوہاشم یہ دیکھ کر ہمارے مقابلے کے لئے نہ آجائیں اور ہمیں لینے کے دینے پڑجائیں - اس لئے انہوں نے مکان کے پچھلی طرف سے حضرت عثمانؓ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا - چنانچہ محمد بن ابی بکرؓ دو آدمیوں کے ساتھ مکان کی پچھلی دیوار پھاند کر گھر میں داخل ہؤا - اس وقت حضرت عثمانؓ کے پاس آن کی بیوی حضرت نائلہ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا اور وہ قرآن شریف کی تلاوت فرمارہے تھے - محمد بن ابی بکرؓ نے آگے بڑھ کر آپ کی داڑھی کو پکڑ لیا اور اسے زور سے جھٹکا دیا - حضرت عثمانؓ نے صرف اتنا فرمایا " اے میرے بھتیجے ! اگر تیرا باپ اس وقت ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتا -" اس پر محمد بن ابی بکرؓ شرمندہ ہو کر باہر نکل گیا - لیکن دوسرے لوگوں نے اندر آکر آپ کو شہید کر دیا اور بھاگ گئے - حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ دروازے پر تھے - اندر جو کچھ ہو رہا تھا اس کی انہیں خبر نہ تھی - جب قاتلین عثمانؓ کو شہید کرکے بھاگ گئے تو آپ کی بیوی چلائیں کہ امیرالمومنین شہید کر دئے گئے -

شور سن کر دروازے پر کھڑے ہوئے لوگ اندر بھاگے تو دیکھا کہ حضرت عثمان خاک و خون میں غلطاں پڑے ہیں - اب سوائے افسوس کے اور کوئی چارہ نہ تھا - جب حضرت علیؓ ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو آپ کی شہادت کی خبر ملی تو وہ بھاگے بھاگے آئے -

حضرت علی رض نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ جب تم دروازے پر موجود تھے تو لوگوں کو گھر میں داخل ہو کر حضرت عثمان رض کو شہید کرنے کی جرأت کس طرح ہوئی ؟ آپ نے انہیں تھپڑ مارے اور محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر کو بھی برا بھلا کہا۔

حضرت علی رض کی خلافت کے ایام میں جو جنگیں ہوئیں ان سب میں حضرت امام حسین رض اپنے والد کے ساتھ رہے۔ جنگ جمل ، جنگ صفین اور جنگ نہروان کے موقعوں پر آپ نے انتہائی جوانمردی ، استقلال ، شجاعت اور بہادری کا ثبوت دیا۔

ایک جنگ میں آپ نے آگے بڑھ کر ھل من مبارز (کوئی ہے جو میرے مقابل پر آئے) کا نعرہ لگایا۔ زبرقان نامی ایک شخص جس کی بہادری کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی' آگے آیا اور پوچھا ''تم کون ہو ؟'' آپ نے جواب دیا ''میں حسین بن علی رض ہوں'' یہ سن کر زبرقان نے کہا :۔

''اے میرے بیٹے ! تم واپس لوٹ جاؤ۔ ایک دن میں نے رسول اللہ ص کو دیکھا تھا۔ حضور ص اونٹنی پر سوار قباء کی جانب سے تشریف لا رہے تھے اور تم رسول اللہ ص کے آگے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نہیں چاہتا کہ میں حضور ص سے اس حال میں ملوں کہ میرے ہاتھ تمہارے خون میں آلودہ ہوں''

جب ابن ملجم نے حضرت علی رض پر وار کیا اور آپ زخمی ہونے کی حالت میں گھر میں لائے گئے تو آپ نے حسین رض

کو بلایا اور فرمایا :۔

”میں تم دونوں کو ان باتوں کی وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا۔ کسی ایسی چیز پر افسوس نہ کرنا جو تمہیں مل نہیں سکی۔ ہمیشہ لوگوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا اور ظالم کے مقابلے پر مظلوم کی مدد کرنا۔

اے بنو عبدالمطلب! خبردار تم یہ کہ کر مسلمانوں کا خون نہ بہانا کہ امیرالمومنین شہید کر دئے گئے۔ سوائے میرے قاتل کے اور کسی کو قتل نہ کرنا۔ جب میں مرجاؤں تو میرے قاتل کو تلوار کی ایک ہی ضرب سے قتل کردینا۔ اس کے اعضاء نہ کاٹنا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے

'تم مثلہ سے بچو خواہ دیوانے کتے کا ہی کیوں نہ' ہو“۔

حسین رض کو یہ نصائح کرنے کے بعد آپ اپنے تیسرے بیٹے محمد بن الحنفیہ سے مخاطب ہوئے اور ان سے پوچھا:

”میں نے تمہارے بھائیوں کو جو نصیحتیں کی ہیں تم نے سن لی ہیں؟“ انہوں نے جواب دیا ”جی ہاں۔“

آپ نے فرمایا

”میں تمہیں بھی ان ہی باتوں کی نصیحت کرتا ہوں ساتھ ہی تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم اپنے بھائیوں سے نیکی کرنا۔ ان کی توقیر اور عزت کرنا۔ ان کی فضیلت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا اور کوئی کام ان کے مشورے کے بغیر نہ کرنا۔“

اس کے بعد آپ پھر حسین رض کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ”میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم اس سے اچھی طرح پیش آنا۔ کیونکہ یہ تمہارا بھائی اور تمہارے باپ کا بیٹا ہے۔ تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ اس سے محبت کرتا تھا تم بھی اس سے محبت کرنا۔“

۱۹ رمضان ۴۰ھ (مطابق ۱۹ اگست ۶۶۱ء) کی رات کو ابن ملجم نے حضرت علی پر حملہ کیا تھا اور ۲۱ رمضان کی رات کو آپ اسی زخم کی وجہ سے وفات پا گئے۔ تجہیز وتکفین طلوع فجر سے پہلے ہی ہو گئی۔ خلافت حضرت امام حسنؓ کے ھاتھ آئی۔ ابن ملجم کو اسی طرح قتل کر دیا گیا جس طرح حضرت علیؓ نے حکم دیا تھا۔

امیر معاویہ رضؓ حضرت علیؓ کی خلافت کو تو برداشت نہ کر سکے تھے حضرت امام حسنؓ کی خلافت کو کس طرح برداشت کرتے۔ وہ لشکر لے کر عراق کی جانب روانہ ہوئے۔ ادھر سے حضرت امام حسنؓ بھی اپنا لشکر لے کر امیر معاویہؓ کے مقابلہ کے لئے شام کی جانب روانہ ہو گئے۔ واسطے میں آپ نے اپنے لشکر کی حالت کا اندازہ لگایا تو اس کی عجب کیفیت پائی۔ لشکر کے لوگ بظاہر آپ کے ساتھ تھے لیکن پست ھمتی کی وجہ سے جنگ سے گریز کرتے تھے۔ پھر ان ان میں اختلاف رائے بھی موجود تھا۔ آپ نے لشکر کی حالت دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ اس کے ذریعہ کسی فتح کی امید رکھنا بالکل فضول ھے۔ یہ لوگ عین موقع پر دغا دیں گے۔ چنانچہ آپ نے امیر معاویہ رضؓ کو ایک خط لکھا جس میں صلح کی پیش کش کی گئی تھی۔ امیر معاویہ رضؓ نے فوراً یہ پیش کش منظور کرلی اور آنھیں ایک سادہ کاغذ اپنی مہر لگا کر بھیجا کہ اس پر جو چاھیں لکھ دیں مجھے منظور ہو گا۔ اس پر حضرت امام حسنؓ نے مندرجہ ذیل شرائط رقم فرمائیں :۔

(۱) اھل عراق کو امن عام دے دیا جائے اور گزشتہ واقعات کے سلسلے میں کسی کی گرفت نہ ہو۔

(۲) اھواز کا خراج میرے نام لکھ دیا جائے۔

(۳) میرے بھائی حسینؓ کو بیس لاکھ درھم سالانہ وظیفہ دیا جائے۔

(۴) عطیات اور صلات میں بنو ہاشم کا حق دوسروں سے فائق سمجھا جائے۔

امیر معاویہ نے یہ تمام شرائط بلا تامل اور بغیر پس و پیش فوراً منظور کرلیں۔ بنو ہاشم کو حضرت امام حسن رض کا مؤقف مطلق پسند نہ آیا۔ حضرت امام حسین رض نے بھی بھائی کو امیر معاویہ رض کا مقابلہ کرنے اور صلح نہ کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا ''میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ معاویہ رض کی باتوں میں نہ آئیے۔'' لیکن امام حسن رض اہل عراق کی جو حالت دیکھ رہے تھے اس کے پیش نظر آپ نے صلح کرنا ہی مناسب سمجھا آپ کو ان لوگوں پر جو بظاہر آپ کی حمایت کا دم بھر رہے تھے، مطلق بھروسہ نہ تھا اور آپ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ موقعہ پڑنے پر یہ لوگ ساتھ چھوڑ کر امیر معاویہ رض سے مل جائیں گے۔ ان حالات میں بہترین طریقہ وہی تھا جو آپ نے اختیار کیا۔ اس طرح مسلمان ایک بہت بڑی خونریزی سے بچ گئے۔

حضرت امام حسن رض کی خلافت سے دست برداری کے بعد حضرت معاویہ رض بلا شرکت غیرے تمام بلاد اسلامیہ کے مطلق العنان فرمانروا بن گئے۔ لیکن یہ فرمانروائی انہیں خونریزی اور فتنہ وفساد کے بعد حاصل ہوئی تھی۔

اس کتاب میں امیر معاویہ رض کے موقف اور آپ کے اعمال و افعال پر تنقید کرنا مقصود نہیں۔ لیکن میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ امیر معاویہ رض نے حضرت علی رض کی جو بلاشک و شبہ امام وقت اور خلیفۃالمسلمین تھے، مخالفت کرکے اور ایک قائم شدہ حکومت کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر کے اسلام کے اصولوں پر کاری ضرب لگائی۔ انہوں

نے اپنی سیاست کو کامیاب بنانے اور اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے مسلمانوں کے خزانے کو جس بے دردی سے خرچ کیا، کوئی شخص بھی اس کی تعریف نہیں کرے گا۔ خلافت اور شوریٰ کے بجائے ملوکیت کی بنیاد ڈال کر انہوں نے اسلام کو شدید ضعف پہنچایا۔ اسلام ملوکیت کو کسی طرح بھی جائز نہیں ٹھہراتا۔ رسول اللہ ص کا اپنا عمل اس بات کو ثابت کر رہا ہے۔ آپ نے خلافت کے لئے بطور خود کسی شخص کو نامزد نہیں فرمایا بلکہ یہ امر مسلمانوں پر چھوڑ دیا کہ وہ ایسے شخص کو خلافت کے لئے منتخب کرلیں جو سب سے زیادہ نیک اور پرہیزگار ہو اور حکومت کا بوجھ اپنے سر پر اٹھانے اور حق و انصاف کو پورے طور پر قائم کرنے کا اہل ہو۔

اپنی زندگی میں یزید کی بیعت لینے کا واقعہ اور وہ بھی اس حالت میں کہ انہیں یزید کی اوباشانہ زندگی کا اچھی طرح علم تھا، ان عظیم مصائب میں سے ہے جو امیر معاویہ رض کے ہاتھوں اسلام کو برداشت کرنے پڑے۔

اصل بادشاہت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس انعام سے سرفراز کرتا ہے۔ کسی بندے کی یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر وہ یا اس کا بیٹا بادشاہت پر قائم رہ سکے۔ اس بادشاہت کا حشر جو امیر معاویہ رض نے اپنے بیٹے کو دی، سب کے سامنے ہے۔ امیر معاویہ رض یہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں سلطنت کو اس قدر مضبوط کر دیا ہے کہ ان کے بعد کسی شخص کی یہ مجال نہیں ہو گی کہ وہ ان کے بیٹے یزید کے اقتدار کو چیلنج کر سکے۔ لیکن خدا تعالیٰ آسمان پر کچھ اور

ہی تدبیر کر رہا تھا - امیر معاویہرضؓ کی آنکھیں بند ہوتے ہی ان کی چھوڑی ہوئی سلطنت کا شیرازہ درہم برہم ہونے لگا - حضرت امام حسینرضؓ کی شہادت نے علویین کے دلوں میں ایسی آگ سلگا دی تھی جو کسی وقت بھی بجھ نہ سکی - آخر ایک صدی سے بھی کم عرصے میں نہایت دردناک طور پر بنوامیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا -

یزید بن معاویہ رضؓ

یزید بن معاویہ رضؓ ایک دن نیند سے بیدار ہؤا تو وہ اپنے باپ کی بجائے بادشاہ بن چکا تھا، مگر مسلمانوں نے یزید کی بادشاہت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ امیر معاویہ رضؓ کے عہد میں ہی یزید کے برے خصائل کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی۔ اور لوگوں کو معلوم تھا کہ یزید کو سوائے شراب پینے یا لہولعب اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے کے اور کوئی کام نہیں ہے۔ عام خیال یہ تھا کہ امیر معاویہ رضؓ یزید جیسی بری شہرت رکھنے والے نوجوان کو ولی عہدی کے لئے منتخب کرنے کی جرأت نہیں کریں گے بلکہ یا تو اپنے معتمد علیہ لوگوں میں سے کسی کو اس عظیم ذمہ داری کے اٹھانے کے لئے مقرر کریں گے یا اپنی جانشینی کا مسئلہ عامۃالمسلمین پر چھوڑ دیں گے کہ وہ جس شخص کو اہل سمجھیں خلیفہ بنالیں۔ لیکن امیر معاویہ رضؓ نے ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی اختیار نہ کی۔ مسلمانوں کو خلافت کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو سچائی، پرہیزگاری، تقویٰ اور طہارت میں ممتاز حیثیت کا مالک ہو اور ملکی سیاست کا بھی اسے کافی تجربہ ہو۔ اسی طرح بادشاہ وقت پر بھی یہ لازم تھا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کی خاطر اپنے بعد کسی ایسے شخص کو منتخب کرکے جاتا جو اس کی نگاہ میں افضل ترین وجود ہوتا۔

یزید کو بادشاہت تو حاصل ہوگئی لیکن اس نے اپنے چند سالہ دور حکومت میں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے سواد اعظم کو اپنا مخالف اور دشمن بنا لیا بلکہ قیامت تک کے لئے اپنے آپ کو مردود مشاہیر کی صف اول میں شامل کر لیا۔

مدینہ منورہ کی حرمت کو توڑنا ، مکہ مکرمہ کا محاصرہ کرنا اور حضرت امام حسینؓ کو شہید کرانا ' معمولی جرائم نہیں ہیں - ان جرائم میں سے کسی ایک کا ارتکاب بھی ہمیشہ کے لئے ایسے شخص کو مسلمانوں کی نگاہوں میں ذلیل بنا دینے کے قابل تھا -

کئی مستشرقین نے یزید کے لئے وجہ اعتذار تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے حلم اور علم ، سیاست اور لیاقت وغیرہ کی مفروضہ داستانیں اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں حالانکہ تمام مؤرخین عرب کی کتابیں یزید کے ان مفروضہ خصائل سے یکسر خالی ہیں - اس معاملے میں مشہور مستشرق لامنس سب سے بڑھا ہؤا ہے - اس نے یزید کے متعلق پوری ایک کتاب لکھ ماری ہے جس میں اس کی حکومت اور اس کے عہد سے تعلق رکھنے والی ہر قسم کی رطب ویابس روایات جمع کردی گئی ہیں اور یزید کو نہایت نیک اور معصوم عن الخطا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے -

بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ یزید کو دراصل اپنے سے پہلے بنوامیہ کے لوگوں کے افعال کی سزا بھگتنی پڑی - وہ غیظ و غضب اور جوش و خروش جو ایک عرصے سے عامۃالمسلمین کے دلوں میں پنہاں تھا لیکن امیر معاویہؓ کی سیاست کی وجہ سے باھر نہ آسکتا تھا ' یزید کے عہد میں اس نے نکلنے کے لئے راہ پالی -

مجھے اس رائے پر تنقید کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں اپنی کتاب میں یزید کے حالات بیان نہیں کر رہا بلکہ صرف وہی واقعات درج کررہا ہوں جن کا یزید سے تعلق تھا - تاہم یہ امر مجھے یہ کہنے سے باز نہیں رکھ سکتا کہ مستشرقین

کا یہ خیال حقیقت سے کوسوں دور ہے - یزید نے حکومت حاصل ہوتے ہی ایسے کام شروع کردئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سیاسی سوجھ بوجھ نام کو بھی نہ تھی - نہ اس نے مختلف علاقوں میں اپنے عمال مقرر کرتے ہوئے عقلمندی کا ثبوت دیا اور نہ انہیں لوگوں سے نرمی اور محبت سے پیش آنے کی تلقین کی - ان حالات کی موجودگی میں جو کچھ اس کے زمانے میں ہؤا اور اس کے عمال نے جو جو کاروائیاں کیں ان سب کا ذمہ دار یزید ہے - اگر یزید اپنے عمال کو لوگوں سے نرمی اور تلطف کرنے کا حکم دیتا تو عبیداللہ بن زیاد اور دوسرے عمال کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اس کے حکم سے سرتابی کرتے - خصوصاً اس حالت میں جب کہ یزید کے خلاف نفرت نے شدت اختیار نہیں کی تھی اور معاملہ عام ناراضی سے زیادہ نہ بڑھا تھا - تلوار نکال کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دینا اور اپنے عمال اور قائدین کو کھلی چھٹی دے دینا کہ وہ لوگوں سے جس قسم کا سلوک چاہیں کریں، ایسی فاش غلطی تھی جو کسی صورت میں معاف نہیں کی جاسکتی - اور ایسی سیاست تھی جس نے اوائل میں ہی اسلامی سلطنت کو اتنا زبردست نقصان پہنچایا کہ بعد میں اس کی تلافی ممکن نہ رہی -

یزید ۲۵ھ / ۶۴۶ء یا ۲۶ھ / ۶۴۷ء میں حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہؤا - اپنے والد امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد جب بادشاہت کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا تو سب سے پہلے یزید کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ جن لوگوں نے اس کے والد کی بیعت نہیں کی تھی، انہیں اپنی بیعت کرنے پر مجبور کرے - چنانچہ اس نے عامل مدینہ ولیدبن عتبہ بن ابوسفیان کو خط لکھا جس میں اپنے والد کی وفات کی خبر دینے کے بعد تحریر

کیا کہ حسینؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ سے فوراً بیعت لے لو اور جب تک ان سے بیعت نہ لے لو انہیں اپنے پاس سے جانے کی اجازت نہ دو۔

جب یزید کا خط ولید کے پاس پہنچا تو اس نے مروان بن حکم کو جو ولید سے پہلے مدینہ کا حاکم تھا بلایا اور یزید کا خط دکھا کر اس سے مشورہ طلب کیا۔ مروان نے مشورہ دیا کہ اسی وقت ان صاحبان کو بلایا جائے اور انہیں بیعت پر مجبور کیا جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا:—

''عبداللہ بن عمرؓ تو حکومت کے طلب گار ہی نہیں ہیں۔ اگر وہ بیعت نہ بھی کریں تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ خطرہ ہے تو حسینؓ بن علیؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے ہے۔ اس لئے انہیں اسی وقت بلاؤ اور بیعت پر مجبور کرو۔ اگر بیعت کرلیں تو بہتر ہے ورنہ انہیں زندہ باہر نہ جانے دو۔''

چنانچہ ولید نے عبداللہ بن عمرو بن عثمانؓ کو جو اس وقت بچے تھے، حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بلانے کے لئے بھیجا۔ یہ دونوں اس وقت مسجد میں تھے۔ اس غیر معمولی وقت کے بلاوے سے فوراً معاملے کی تہہ کو پہنچ گئے اور انہوں نے آپس میں کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ معاویہؓ کا انتقال ہو گیا ہے اور ہمیں بیعت کے لئے بلایا جا رہا ہے۔'' حضرت امام حسینؓ اپنے ساتھ چند آدمی لے کر ولید کے پاس پہنچے اور انہیں یہ ہدایت کی کہ تم دروازے پر بیٹھے رہو۔ اگر میں تمہیں بلاؤں یا تم سنو کہ میری آواز بلند ہو گئی ہے تو تم سب کے سب مکان کے اندر چلے آنا۔ لیکن اگر ایسا نہ بھی ہو تو دروازے سے نہ ہٹنا یہاں تک کہ میں باہر آجاؤں۔

اپنے آدمیوں کو باہر بٹھا کر حضرت امام حسینؓ ولید

اور مروان کے پاس اندر تشریف لے گئے - ولید نے آپ کو امیر معاویہرض کی وفات کی خبردی اور یزید کا خط پڑھ کر سنایا - حضرت امام حسینرض نے اناللهواناالیه راجعون پڑھا اور فرمایا ’’خدا تعالیٰ معاویہرض پر رحم کرے - لیکن مجھ جیسا شخص خفیہ بیعت نہیں کرسکتا - آپ عام لوگوں کو اس مقصد کے لئے جمع کیجئے - میں بھی ان کے ساتھ آؤں گا - پھر جو سب کی رائے ہوگی وہی کیا جائے گا -‘‘

ولید نے یہ سن کر حضرت امام حسینرض کو جانے کی اجازت دیدی - آپ کے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا :-

’’ افسوس تم نے میرا کہنا نہ مانا اور حسینرض کو جانے دیا - اب جب تک تمہارے اور ان کے درمیان اچھی طرح خونریزی نہ ہولے تم ان پر کبھی قابو نہیں پاسکتے -‘‘

ولید نے جواب دیا :-

’’ بڑے افسوس کی بات ہے - تم چاہتے ہو کہ میں حسینرض کو قتل کردوں - خداتعالیٰ کی قسم قیامت کے دن جس شخص سے حسینرض کے خون کا مطالبہ کیا جائے گا وہ بڑے نقصان میں رہے گا -‘‘

حضرت عبداللہ بن زبیررض نے ولید سے ایک دن کی مہلت مانگی مگر وہ راتوں رات مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور مکہ کی راہ لی - صبح ہونے پر جب ولید کو عبداللہ بن زبیررض کے مدینہ سے نکل جانے کا پتہ چلا تو اس نے ان کے پیچھے اپنے آدمی دوڑائے - لیکن چونکہ انہوں نے مکہ جانے کے لئے ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا تھا اس لئے ولید کے آدمی انہیں نہ پاسکے اور ناکام واپس آگئے -

اگلے دن رات کو ۲۷ رجب ۶۰ھ (مطابق ۳ مئی ۶۸۰ء) بروز ہفتہ حضرت امام حسین بھی اپنے بیٹوں، بہنوں، بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے اہل بیت کو لے کر مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئے۔ البتہ آپ کے بھائی محمد بن الحنفیہ مدینہ میں ہی رہے۔

حضرت امام حسینؓ اور حضرت ابن زبیرؓ کے مدینہ سے چلے جانے کے بعد ولید نے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کو بلایا اور انہیں بیعت کے لئے مجبور کیا۔ انہوں نے خاموشی سے بیعت کرلی۔ حضرت ابن عباسؓ نے بھی یزید کی بیعت کرلی۔

۳ شعبان ۶۰ھ (مطابق ۹ مئی ۶۸۰ء) جمعہ کی رات کو حضرت امام حسینؓ مکہ میں داخل ہوئے اور شعب علی میں فروکش ہوئے۔ اہل مکہ جوق درجوق آپ کے پاس آنے لگے۔ ابن زبیرؓ نے خانہ کعبہ کو اپنی رہائش گاہ بنا لیا اور وہیں عبادت میں مشغول ہو گئے۔ وہ بھی اکثر حضرت امام حسینؓ کے پاس آیا کرتے تھے اور انہیں مشورے دیا کرتے تھے۔

کوفہ سے بلاوا

حضرت امام حسینرض کو عراق میں بڑی تائید حاصل تھی۔ عراق میں آپ کے حامی وقتاً فوقتاً آپ کو لکھتے رہتے تھے کہ آپ یہاں تشریف لائیں ہم آپ کی پوری حمایت کریں گے اور امیر معاویہرض کے خلاف بغاوت میں آپ کی ہر طرح مدد کریں گے۔ ان خطوط اور قاصدین کا سلسلہ حضرت امام حسنرض کے زمانے سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ لیکن حضرت امام حسینرض کا جواب ایک ہی ہوتا تھا۔ آپ ہمیشہ اپنے حامیوں کو انتظار اور صبر کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ امیر معاویہرض نے یہ وعدہ کیا ہؤا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے اور انہیں باقاعدہ ان کا وظیفہ ادا کرتے رہیں گے اس لئے حضرت امام حسینرض کو کوئی ضرورت نہ تھی کہ وہ اپنی طرف سے امیر معاویہرض کی پریشانی کے اسباب پیدا کرتے۔

کوفہ کے لوگوں سے حضرت امام حسینرض کی جو خط و کتابت رہتی تھی، امیر معاویہرض کے عمال اور جاسوس اس کی خبریں برابر امیر معاویہرض کو پہنچاتے رہتے تھے اور ان پر یہ اثر ڈالنے کی کوشش کرتے تھے کہ حسینرض بغاوت کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس لئے آن کے خلاف سخت کاروائی کرنی چاہئے اور بیت المال سے انہیں جو وظیفہ ملتا ہے اسے بند کر دینا چاہئے۔ لیکن امیر معاویہرض ہر بار انہیں یہی جواب دیتے تھے کہ وہ حسینرض کے ساتھ تعرض نہ کریں اور انہیں آن کے حال پر چھوڑ دیں۔ ساتھ ہی وہ اوقات معینہ پر حضرت امام حسینرض کا وظیفہ بھی جو بلاذری اور مؤلف عقدالفرید کے نزدیک لاکھوں درہم سالانہ ہوتا تھا، انہیں بھجوا دیتے تھے۔

امیر معاویہ رض کے عہد میں اُن کے ایک عامل ولید بن عتبہ نے اس بات کی کوشش کی کہ حضرت امام حسین رض اور اُن کے حامیوں کے باھمی تعلقات کو منقطع کردیا جائے۔ لیکن اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ اس نے یہ کوشش امیر معاویہ رض کے حکم سے کی تھی یا بطور خود۔ ولید بہت نیک دل حاکم تھا۔ حضرت ابن عباس رض اس کے متعلق کہتے ھیں کہ ''جب وہ مدینہ کا والی مقرر ہو کر آیا تو قید خانے میں جتنے قیدی تھے سب کو آزاد کردیا اور شہر میں جتنے قرض دار تھے ان کا قرض ادا کردیا''۔ حضرت امام حسین رض سے بھی وہ بہت عزت واحترام سے پیش آتا تھا اس لئے بادی النظر میں اُس کی اس کوشش کا مقصد یہ نظر آتا ھے کہ اس طرح وہ حضرت امام حسین رض کو امیر معاویہ رض کے غیض وغضب سے بچالے گا۔ کیونکہ جب حضرت امام حسین رض اور ان کے حامیوں کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ تو امیر معاویہ رض حضرت امام حسین رض کی طرف سے بے فکر ہو جائیں گے اور ان پر کسی قسم کا تشدد نہیں کریں گے۔

اھل کوفہ حضرت امام حسین رض کی حمایت کے سب سے بڑے دعویدار اور معاویہ کے خلاف بغاوت کے لئے سب سے زیادہ بے چین تھے۔ جب اُنھوں نے سنا کہ امیر معاویہ رض وفات پا گئے اور حضرت امام حسین رض نے یزید کی بیعت سے انکار کردیا تو انھوں نے سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان میں ایک خفیہ اجتماع منعقد کیا۔ جس میں سلیمان نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ''حضرت امام حسین رض مدینہ سے نکل کر مکہ چلے گئے ھیں۔ تم اُن کے اور ان کے والد کے مدد گاروں میں سے ہو۔ اگر تم اس موقعہ پر ان کی مدد کرنا اور ان کے دشمن کے خلاف جہاد کرنا چاھتے ہو تو انھیں لکھدو کہ وہ یہاں تشریف لے

آئیں - لیکن اگر تم اپنی کمزوری کے باعث ڈرتے ہو تو پھر انہیں خواہ مخواہ مصیبت میں نہ ڈالو"۔

اس پر سب نے یک زبان ہو کر کہا :—

"یقیناً ہم حسین رض کے دشمن سے جنگ کریں گے اور اپنی جانوں پر کھیل کر انہیں کامیاب بنائیں گے"

چنانچہ بالاتفاق حضرت امام حسین رض کو ایک خط لکھا گیا جس کا مضمون یہ تھا :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت حسین رض بن علی امیرالمومنین رض کے نام سلیمان بن صرد خزاعی - مسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد ، حبیب بن مظاہر، عبداللہ بن وال اور ان کے مومن مددگاروں کی طرف سے -

اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی سلامتی نازل فرمائے - اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کے اس دشمن کو موت کی نیند سلا دیا ہے جو انتہائی سرکش اور ظالم تھا - جس نے امت کا نظام درہم برہم کر دیا اور لوگوں کی مرضی کے خلاف ان پر حکومت کی - امت کے نیک لوگوں کو شہید کیا اور شر پسندوں کو اپنا ساتھی بنایا - اللہ تعالیٰ کے مال کو اپنے ساتھیوں اور رشتہ داروں میں بے دریغ لٹایا - ہم بغیر امام کے ہیں - آپ تشریف لائیں تاکہ آپ کی مدد سے ہم حق پر جمع ہو جائیں - امیر کوفہ نعمان بن بشیر سرکاری محل میں ہے - اس کے پیچھے نہ ہم جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں اور نہ عید کی - اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو ہم اسے شام کی حدود میں دھکیل دیں گے - والسلام علیک ورحمۃاللہ وبرکاۃ یا ابن رسول اللہ و علیٰ ابیک من قبلک و لا حول و لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم "۔

اهل کوفہ کا یہ خط عبداللہ بن مسمع ھمزانی اور عبداللہ بن وال کے سپرد کیا گیا ۔ یہ دونوں تیزی سے سفر کرتے ہوئے ۱۰ رمضان المبارک کو مکہ پہنچے اور خط حضرت امام حسین رض کے حوالے کردیا ۔

اھل کوفہ زیادہ صبر نہ کر سکے اور اس خط کے بھیجنے کے دو روز بعد قیس بن مشہر صیداوی ۔ عبداللہ وعبدالرحمان بن شداد ارحبی اور عمارہ بن عبد سلولی کو مختلف عمائدین شہر کے ڈیڑھ سو خط اور دے کر حضرت امام حسین رض کی خدمت میں بھیجا جن میں ان سے کوفہ تشریف لانے کی درخواست کی گئی تھی ۔ اس کے بعد بھی ان سے صبر نہ ہو سکا اور ان ڈیڑھ سو خطوط پر اکتفا نہ کرتے ہوئے دو روز ٹھہر کر انہوں نے ھانی بن ھانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ الحنفی کے ھاتھ حضرت امام حسین رض کو اس مضمون کا خط بھیجا :

" حضرت امام حسین بن علی علیہما السلام کے نام آپ کے مومن مددگاروں اور حامیوں کی طرف سے ۔ لوگ آپکا انتظار بے چینی سے کررھے ھیں وہ آپ کے علاوہ اور کسی کی حکومت قبول نہیں کر سکتے ۔ آپ جس قدر جلد ممکن ھو سکے یہاں تشریف لے آئیں ۔ والسلام "

اس خط کے بعد ایک اور خط لکھا گیا جو یہ تھا :۔

" زمین سر سبز ھو چکی ھے ' پھل پک چکے ھیں ' آپ کی مدد کے لئے لشکر تیار ھے ۔ آپ تشریف لے آئیے "۔

جب حضرت امام حسین رض کی خدمت میں پے در پے اھل کوفہ کے خط پہنچنے شروع ھوئے تو آپ نے اپنے اھل الرائے اصحاب سے مشورے کے بعد ھانی بن ھانی اور سعید بن عبد اللہ کے ھاتھ اھل کوفہ کو مندرجہ ذیل خط لکھا :۔

" مجھے تمھاری خواھش کا اچھی طرح علم ھو گیا ھے ۔

میں اپنے چچا زاد بھائی اور معتمد علیہ مسلم رض بن عقیل کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں - میں نے انہیں ہدایت کردی ہے کہ وہ تمام حالات کی تحقیق کر کے مجھے اطلاع دیں - اگر مجھے معلوم ہؤا کہ کوفہ کے خواص اور عوام اسی طرح میری خلافت کے خواہشمند ہیں جس طرح انہوں نے اپنے خطوں میں ظاہر کیا ہے تو میں انشاء اللہ جلد تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا - حقیقت یہ ہے کہ امام وہ ہونا چاہئے جو کتاب اللہ پر پوری طرح عمل کرنے والا ہو - عادل ہو اور دین حق کا فرماں بر دار ہو''۔

مسلم رض بن عقیل کو کوفہ بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کو اہل کوفہ کے مؤقف کی طرف سے پورا اطمینان ہو جائے - اپنے حامیوں کی تعداد کا پتہ چل جائے اور معلوم ہوجائے کہ آیا اہل کوفہ ان کی مدد کے لئے پوری طرح تیار ہیں یا نہیں -

آپ کے ساتھیوں کو کوفیوں کے وعدوں پر مطلق بھروسہ نہ تھا جب پے درپے خطوط آنے لگے تو انہوں نے حضرت امام حسین رض کو سمجھایا کہ ان لوگوں نے آپ کے والد رض کی مدد سے کنارہ کشی کرکے انہیں عین منجھدار میں چھوڑ دیا تھا - پھر وہ آپ کے برادر اکبر رض کی بیعت توڑنے اور غداری کرنے کے جرم کے مرتکب بھی ہو چکے ہیں' کوئی تعجب نہیں اگر وہ آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی کریں - اس لئے آپ پہلے مسلم رض کو بھیجئے تاکہ وہ وہاں جاکر حالات کا صحیح جائزہ لیں - اور آپ کو اصل صورت حال سے مطلع کریں -

مسلم رض بن عقیل کوفہ پہنچے اور مختار بن ابی عبید کے مکان پر اترے - شیعیان علی رض آپ کے پاس آنے شروع ہوئے - آپ

انہیں حضرت امام حسینؓ کا خط سناتے ۔ وہ رو رو کر عہد کرتے کہ حضرت امام حسینؓ کی حمایت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے اور اپنی جانیں ان پر نچھاور کردیں گے ۔ چند ہی دن میں اٹھارہ ہزار بلکہ بعض مؤرخین کے مطابق تیس ہزار لوگوں نے مسلمؓ بن عقیل کے ھاتھ پر حضرت امام حسینؓ کی بیعت کرلی ۔ مسلمؓ نے حضرت امام حسینؓ کی ھدایت کے بموجب عابس بن ابی شبیب کے ھاتھ آپ کو ایک خط روانہ کیا جس میں لکھا کہ اٹھارہ ہزار اشخاص میری بیعت کرچکے ھیں ۔ آپ بلا خطر تشریف لے آئیں ۔ اھل عراق آپ کے حامی ھیں اور آل معاویہ سے قطعی بیزار ھیں ۔

نعمان بن بشیر اس وقت کوفہ کے امیر تھے ۔ جب انہیں ان واقعات کا علم ہؤا تو وہ جامع مسجد کے منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد کہا :۔

" اے اللہ کے بندو ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو ۔ اور ملت میں تفرقہ اور فتنہ و فساد پیدا نہ کرو خوب یاد رکھو کہ تفرقہ اور فساد قتل و خون اور غارت گری کا موجب ھیں ۔

میں بد گمانی کی بنا پر کسی سے مواخذہ کرنا نہیں چاھتا ۔ جو شخص مجھ سے جنگ نہیں کرے گا میں بھی اس سے جنگ نہیں کروں گا ۔ جو شخص مجھ پر حملہ نہیں کرے گا میں بھی اس پر حملہ نہیں کروں گا ۔ البتہ اگر تم نے کھلم کھلا بغاوت کا اظہار کیا اور یزید کی بیعت شکنی کی تو خدا کی قسم میں تلوار ھاتھ میں لے کر اس وقت تک تمہاری گردنیں اڑاتا رھوں گا جب تک تلوار کا دستہ میرے ھاتھ میں رھے گا " ۔

نعمان بن بشیر صلح جو اور حلیم حاکم تھے ۔ ان کی اس تقریر پر بنوامیہ کے ایک حامی نے اٹھ کر کہا " اے امیر !

آپ کمزوری کا اظہار کر رہے ہیں - اس طرح کام نہ چلے گا - باغیان حکومت کے خلاف سخت کاروائی ہونی چاہئے-'' نعمان نے جواب دیا ''میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور اطاعت میں رہتے ہوئے کمزور اور ضعیف تصور کیا جاؤں یہ مجھے گوارا ہے مگر خدا تعالیٰ کی بغاوت کر کے صاحب قوت کہلانا پسند نہیں کرتا -

اس شخص نے یزید کو تمام حالات کی اطلاع دیدی اور لکھا کہ مسلمرض بن عقیل کوفہ میں آئے ہوئے ہیں اور لوگ دھڑا دھڑ ان کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں لیکن نعمان بن بشیر اس صورت حال کا تدارک نہیں کر سکتے- اگر آپ کو کوفہ پر قبضہ رکھنا مطلوب ہے تو یہاں کسی سخت آدمی کو حاکم بنا کر بھیجئے جو آپ کا حکم یہاں نافذ کر سکے اور آپ کے دشمنوں سے نپٹ سکے -

اسی مضمون کے خط چند اور آدمیوں نے بھی لکھے - جب یزید کو پے درپے اس قسم کے خط ملنے شروع ہوئے تو اس نے اپنے صاحب الرائے اور معتمد علیہ غلام معاویہ سر جون سے مشورہ کیا - اس نے رائے دی کہ بصرہ کے حاکم عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا حاکم مقرر کر دیا جائے - وہ اس صورت حال کا اچھی طرح مقابلہ کر سکے گا - یزید نے اس کے اس مشورہ کو قبول کرتے ہوئے عبیداللہ بن زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کا حاکم بھی مقرر کردیا اور اسے لکھ بھیجا کہ کوفہ پہنچ کر مسلمرض بن عقیل کو وہاں سے نکال دو یا قتل کردو - جب یزید کا یہ خط ابن زیاد کے نام پہنچا تو اس نے کوفہ پہنچنے کی تیاریاں شروع کردیں -

اسی اثناء میں حضرت امام حسینرض کا ایک خط آپ کے غلام سلیمان کے ہاتھ بصرہ کے معززین یزید بن مسعود نہشلی

اور منذر بن جارود العبدی وغیرہ کے نام پہنچا ' جس میں آپ نے اهل بصرہ سے اپنی مدد اور اطاعت کی درخواست کی تھی - یہ خط پہنچنے پر یزید بن مسعود نے قبائل بنو تمیم، بنو حنظلہ اور بنو سعد کو جمع کیا اور ان سے پوچھا :—

'' اے بنو تمیم ! بتاؤ میرا رتبہ اور میرا حسب ونسب تمہارے نزدیک کیسا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا :

'' اے سردار ! اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے ؟ ہر شخص جانتا ہے کہ شرافت وبزرگی اور حسب و نسب میں کوئی شخص آپ کا هم پله نہیں ہے -''

یزید بن مسعود نے کہا :-

''میں نے تمہیں یہاں اس لئے جمع کیا ہے کہ چند باتوں میں تم سے مشورہ کروں اور مدد چاہوں -''

لوگوں نے کہا '' بسر و چشم آپ فرمائیے هم آپ کی ہر نصیحت اور ہر رائے ماننے کے لئے تیار ہیں -''

یزید نے اس طرح تقریر شروع کی :

'' معاویہ نے وفات پائی ان کے مرنے سے جور و گناہ کا دروازہ ٹوٹ گیا اور ظلم کے محل کے ستون دھڑام سے زمین پر آن رہے ان کا خیال تھا کہ انہوں نے اپنی سلطنت کو خوب مضبوط بنا لیا ہے - لیکن ان کا یہ خیال محض واھمہ ثابت ہؤا - معاویہ کے مرنے کے بعد اب ایک شرابی اور فاسق وفاجر شخص خلافت کا دعویٰ کررها ہے اور مسلمانوں پر ان کی مرضی کے خلاف اپنا حکم مسلط کرنا چاهتا ہے - نہ اس میں حلم اور بردباری کا مادہ ہے اور نہ وہ علم کے زیور سے مزین ہے - میں خداتعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس شخص سے جہاد کرنا مشرکین سے جہاد کرنے سے افضل ہے - دیکھو یہ حسینؓ ابن علی امیرالمومنینؓ کا خط ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے نواسے ہیں - ان سے زیادہ معزز روئے زمین پر اور کوئی شخص نہیں ملے گا - ان کے فضل اور علم کا ذکر کرنا سورج کو آئینہ دکھانے کے مترادف ہے - شرافت، بزرگی، عمر، اسلام کی راہ میں قربانیاں کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کے باعث خلافت کے مستحق صرف اور صرف حضرت امام حسین رض ہی ہیں جو چھوٹوں سے محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آتے ہیں اور بڑوں سے عزت اور تکریم کے ساتھ - اب تم خدا تعالیٰ کے نور سے بڑھ چڑھ کر حصہ لو اور باطل کی گمراہیوں میں پڑ کر اپنے آپ کو تباہ نہ کرو - جنگ جمل کے موقع پر صخر بن قیس نے تم لوگوں کے ساتھ جنگ سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی - اب خدا تعالیٰ نے تمہیں ایک اور موقعہ دیا ہے - تم دل و جان سے ابن رسول اللہ ص کی مدد کے لئے نکل کھڑے ہو - اور اس طرح رسوائی کے اس داغ کو دھو ڈالو - خدا تعالیٰ کی قسم جو شخص آپ کی مدد سے کنارہ کشی کرے گا، خدا تعالیٰ اس کی اولاد کو ذلت اور رسوائی میں ڈال دے گا اور اس کے خاندان پر تباہی نازل کرے گا - دیکھو! میں جنگ کے لئے بالکل تیار ہوں - اب بھی جو شخص باہر نہ نکلے گا وہ یاد رکھے کہ وہ اپنے تئیں قتل ہونے سے نہ بچا سکے گا ''-

یزید بن مسعود کی تقریر ختم ہونے کے بعد بنو حنظلہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا :-

''اے ابو خالد! ہم تیرے ترکش کے تیر اور تیرے قبیلے کے گھوڑے ہیں - اگر تو ہمیں دشمنوں پر چلائے گا تو تیرا نشانہ بالکل ٹھیک بیٹھے گا اور اگر تو ہمارے ذریعہ جہاد کرے گا تو فتح پائے گا - تو جس جگہ جائے گا ہم تیرے ساتھ جائیں گے - تو جس جنگ میں حصہ لے گا اس میں ہم تیرے دوش بدوش حصہ لیں گے - ہم اپنی تلواروں کے ساتھ تیری مدد

کریں گے اور اپنی جانوں پر کھیل کر تجھے بچائیں گے - ہم حاضر ہیں، تو جہاں چاہے ہمیں لے جا "۔

بنو حنظلہ کے بنو سعد بن زید کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا :-

"اے ابو خالد ! تیری رائے کے خلاف کوئی رائے قائم کرنے اور تیری مخالفت کرنے سے زیادہ بد ترین بات ہمارے لئے اور کوئی نہیں۔ تاہم ہمیں کچھ مہلت دے تاکہ ہم باہم مشورہ کرلیں "۔

بنو عامر بن تمیم بولے :—

" اے ابو خالد ! ہم تیرے مددگار اور حلیف ہیں - ہم تیرے غیض و غضب کو برداشت نہیں کرسکتے - تو ہمیں آواز دے، ہم لبیک کہتے ہوئے تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے، تو ہمیں حکم دے ہم تیری دل و جان سے اطاعت کریں گے "۔

یزید بن مسعود کو ان حوصلہ افزا جوابات سے بڑی خوشی ہوئی - اس نے حضرت امام حسینؓ کو خط لکھا -

" آپ کا خط میرے پاس پہنچا - جس امر کی طرف آپ نے مجھے بلایا ہے میں اسے خوب سمجھ گیا ہوں - آپ کی اطاعت اور مدد کرنا میری عین خوش نصیبی ہے اور میں اس پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے - خدا تعالیٰ نے کبھی دنیا کو کسی نیک حاکم سے خالی نہیں رکھا - اس زمانے میں آپ خدا تعالیٰ کی مخلوق پر اس کی حجّت اور زمین میں اس کی امانت ہیں - آپ ایک نہایت خوشنما زیتون کے درخت کی شاخ ہیں - محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس درخت کی جڑ - آپ بلا کھٹکے یہاں تشریف لے آئیں - بنو تمیم کی گردنیں آپ کے سامنے جھکی ہوئی ہوں گی - اور وہ اس پیاسے اونٹ سے بھی زیادہ آپ کی اطاعت کریں گے جو پانچویں روز پانی پر پہنچتا ہے - بنو تمیم

کی طرح بنو سعد بھی دل و جان سے آپکی مدد کریں گے ۔''

بصرہ کے ایک شخص منذر بن جارود کو جو عبیداللہ بن زیاد کا خسر تھا ' اس خط کا علم ہو گیا ۔ اس نے خط لے جانے والے قاصد کو گرفتار کر کے عبیداللہ بن زیاد کے سامنے پیش کر دیا ۔ ابن زیاد نے قاصد کو تو سولی دے دی اور خود جامع مسجد کے منبر پر چڑھ کر یہ تقریر کی ۔ ''اے اهل بصرہ ! امیرالمومنین نے مجھے کوفہ کا والی مقرر کیا ہے ۔ اور میں عنقریب وہاں جانے والا ہوں ۔ اپنے پیچھے میں اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو تمہارا حاکم مقرر کر رہا ہوں ۔ خبردار جو تم نے اس کے احکام کی خلاف ورزی کی ۔ خدا تعالیٰ کی قسم ! اگر مجھے معلوم ہؤا کہ تم میں سے کسی شخص نے اس کے احکام سے سرتابی اختیار کی ہے تو نہ صرف یہ کہ اسے قتل کرا دوں گا بلکہ اس کے دوستوں اور اس کے محلہ کے شیخ کو بھی موت کے گھاٹ اتار دوں گا''۔

عبیداللہ بن زیاد نے یہ خطبہ اس غرض سے دیا تھا کہ اس کے تہدیدی اور انذاری الفاظ سے اهل بصرہ سہم جائیں اور اس کے وہاں سے چلے جانے کے بعد بصرہ میں کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے ۔ چنانچہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور اس کے چلے جانے کے بعد کسی شخص میں عثمان بن زیاد کے احکام سے سرتابی اختیار کرنے کا خیال اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی حمایت کرنے کا جذبہ پیدا نہیں ہؤا ۔

ابن زیاد کا جاسوس

کوفہ کا عامل نعمان بن بشیر ایک نیک دل حاکم تھا۔ جہاں وہ بنو امیہ کی اطاعت کا دم بھرتا تھا ' وہاں وہ یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ اہل بیت کو کوئی تکلیف پہنچے اور اس کے عہد حکومت میں ان کا خون بہایا جائے۔ اسی لئے جب مسلمؓ بن عقیل کوفہ پہنچے تو نعمان بن بشیر نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا اور ان کی موجودگی کو بالکل نظر انداز کردیا۔ اس کے اس طرز عمل سے بنو امیہ کے مددگار اور حامی کبھی مطمئن نہ ہوسکتے تھے۔ انہوں نے یزید کو پے درپے خطوط لکھے جن میں نعمان کی کمزوری اور نرمی کا ذکر کرتے ہوئے ایک نئے حاکم کی ضرورت جتائی۔ چنانچہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں یزید نے ابن سرجون رومی سے مشورہ کیا۔ اس نے عبیداللہ ابن زیاد کو کوفہ کا حاکم بنانے کا مشورہ دیا۔ یزید عبیداللہ کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے یہ مشورہ قبول کرنے میں ہچکچاہٹ ظاہر کی۔ ابن سرجون نے یہ دیکھ کر کہا :

”اگر آپ کو آپ کے والد محترم کی کوئی رائے بتائی جائے تو کیا آپ اسے قبول کرلیں گے ؟“

یزید نے کہا ”بیشک“۔

ابن سرجون نے کہا :۔ ”آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کے والد نے اپنی وفات سے پہلے ابن زیاد کو کوفہ کا حاکم بنانے کا ارادہ کیا تھا اور ابن زیاد کو بھی اپنے ارادہ سے مطلع کردیا تھا لیکن وہ اپنے ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ اس لئے آپ کو اپنے والد کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اسے کوفہ کی ولایت سپرد کر دینی چاہئے“۔

اب یزید کے لئے ابن زیاد کو کوفہ کا حاکم نہ بنانے کا کوئی جواز نہ تھا۔

عبیداللہ بن زیاد بڑا جری، مضبوط اور سخت دل نوجوان تھا۔ حضرت معاویہ رض کے زمانے میں سب سے پہلے اسے خراسان کی ولایت سپرد کی گئی۔ ابن عساکر کے قول کے بموجب اس کی عمر اس وقت پچیس سال کی تھی۔ اس نے یہاں بڑی بہادری، جرأت اور دلیری کا ثبوت دیا۔ دو سال کے عرصے میں اس نے اس علاقے میں برابر ترکوں سے لڑائی جاری رکھی۔ اس کے بعد اسے خراسان سے بصرہ تبدیل کر دیا گیا۔ زیاد بن امیہ کی وفات کے بعد جب خوارج نے سر اٹھایا اور ملک میں ایک شورش برپا کردی تو یہ عبیداللہ بن زیاد ہی تھا جس نے بڑی سختی کے ساتھ اس شورش کو دبایا اور خوارج کا قلع قمع کردیا۔ عبیداللہ ذکاوت اور فطانت میں اپنے باپ کا ہم پلہ نہ تھا لیکن سخت گیری میں وہ اپنے باپ سے بھی بڑھا ہؤا تھا۔ جب یزید نے اسے بصرہ کے ساتھ کوفہ کا والی بھی بنا دیا تو تمام عراق کی حکومت اس کے ہاتھ میں آگئی اور اس کی قوت و طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔

ابن زیاد صبح کے وقت کوفہ میں داخل ہؤا۔ شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ بصرہ کے سر بر آوردہ اشخاص شریک بن اعور اور منذر بن جارود وغیرہ اس کے ہم رکاب تھے۔ اس نے سیاہ عمامہ پہنا ہؤا تھا اور منہ کو ایک کپڑے سے لپیٹا ہؤا تھا۔ اہل کوفہ کو یہ خبر ملی تھی کہ حضرت امام حسین رض تشریف لا رہے ہیں۔ جب انہوں نے ابن زیاد کو دیکھا تو سمجھے کہ حضرت امام حسین تشریف لے آئے۔ چنانچہ وہ جس طرف سے بھی گزرتا یہ آوازیں بلند ہوتیں:

"مرحبا اے ابن رسول اللہ! خوش آمدید اے ابن رسول اللہ!"

ابن زیاد کچھ نہ بولا اور گھوڑے پر سوار "دارالامارۃ" تک پہنچ گیا - لوگوں کا ایک کثیر مجمع اس کے پیچھے تھا - جب نعمان بن بشیر نے لوگوں کے شوروغل کی آوازیں سنیں تو اسے بھی حضرت امام حسین رض کے تشریف لے آنے کا یقین ہو گیا - اس نے محل کا دروازہ بند کردینے کا حکم دیا اور خود چھت پر چڑھ گیا - سامنے عبیداللہ بن زیاد کھڑا تھا اور اس کے پیچھے سینکڑوں آدمی خوشی سے نعرے لگا رہے تھے - نعمان نے اسے حسین رض سمجھتے ہوئے کہا -

"خدا تعالیٰ کی قسم! میں اپنی امانت آپ کے سپرد نہیں کروں گا - مجھے آپ سے لڑنے کی خواہش نہیں ہے اس لئے میں آپ کو خداتعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ پیچھے ہٹ جائیں اور محل میں داخل ہونے کی کوشش نہ فرمائیں"-

عبیداللہ بن زیاد نے اسے ڈانٹا اور دروازہ کھولنے کا حکم دیا - مجمع میں سے ایک آدمی عبیداللہ کی آواز پہچانتا تھا وہ یہ سن کر پیچھے ہٹا اور لوگوں سے کہنے لگا: "اے لوگو یہ شخص امام حسین رض نہیں بلکہ ابن مرجانہ (ابن زیاد) ہے - اس کے علاوہ اور کوئی نہیں"-

نعمان بن بشیر نے بھی ابن زیاد کی آواز پہچان لی اور دروازہ کھول دیا - ابن زیاد محل میں داخل ہو گیا اور لوگ منتشر ہو گئے -

ابن زیاد کو آج کا ماجرا دیکھ کر بڑا فکر پیدا ہؤا اور اس نے صورت حال کو جلد سے جلد قابو میں لانا چاہا - اگلے روز صبح سویرے منادی کرنے والے سارے شہر میں منادی کر رہے تھے "الصلوۃ جامعۃ"- اس زمانہ میں ہر نیا حاکم اپنا عہدہ سنبھالنے سے پہلے لوگوں کو جامع مسجد میں اکٹھا کرکے پہلے اپنے تقرر کے متعلق شاہی فرمان پڑھ کر سناتا تھا -

اس کے بعد اپنے عزائم اور سیاست کے متعلق ایک مفصل تقریر کرتا تھا۔

دستور کے مطابق اگلے روز لوگ جامع مسجد میں جمع ہوئے۔ ابن زیاد منبر پر چڑھا اور یہ تقریر کی :۔

"امیرالمومنین نے مجھے کوفہ کا حاکم مقرر کیا ہے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مظلوموں کے ساتھ انصاف، فرمانبرداروں کے ساتھ احسان، اور غداروں اور نافرمانوں کے ساتھ سختی کروں۔ میں اس حکم کو بجالاؤں گا۔ دوستوں کے ساتھ میرا سلوک مشفق و مہربان باپ جیسا ہوگا لیکن جو شخص میرے احکام سے سر تابی کرے گا اسے تلوار کی دھار اور کوڑے کی مار کا مزہ چکھاؤں گا۔ لہذا ہر شخص کو اپنی جان پر رحم کرنا چاھئے۔"

یہ تقریر کرنے کے بعد وہ منبر پر سے اترا۔ نعمان بن بشیر اپنے وطن شام کو واپس چلا گیا۔ ابن زیاد نے شہر کے محلوں کے تمام سر بر آوردہ اشخاص کو جمع کیا اور انہیں حکم دیا۔

"تم اپنے اپنے محلوں کے پردیسیوں، خارجیوں اور مشتبہ لوگوں کو پکڑ کر میرے پاس بھیجو۔ جو شخص حکم کی تعمیل کرے گا اسے کچھ نہیں کہا جائے گا لیکن جس نے اس حکم کی تعمیل میں کوتاھی کی اور اس محلہ میں کسی نے امیرالمومنین کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو میر محلہ کو اس کے گھر کے دروازہ پر پھانسی دے دی جائے گی اور اس محلے کے لوگوں کے وظیفے بند کر دئے جائیں گے۔"

جب مسلمؓ بن عقیل کو عبیداللہ کے کوفہ آنے اور اس کے اس انتظام کی خبر ہوئی تو وہ مختار بن ابی عبید کے گھر سے نکل کر کوفہ کے ایک معزز شخص ھانی بن عروہ مرادی کے پاس آئے اور اس سے پناہ طلب کی۔ ھانی نے جواب دیا "آپ

مجھے میری طاقت سے بڑھ کر تکلیف دے رہے ہیں۔ اگر آپ میرے گھر میں داخل نہ ہوتے تو میں آپ سے اپنی معذوری کا اظہار کر دیتا لیکن چونکہ آپ میرے گھر میں داخل ہو چکے ہیں اسلئے تشریف لے آئیں"۔

اب شیعیان اہل بیت نے خفیہ خفیہ ہانی کے مکان پر جمع ہونا شروع کیا۔ اور اس بات کی پوری نگہداشت رکھی کہ ابن زیاد کو مسلم رض کی جائے رہائش کا پتہ نہ چلے۔ ادھر ابن زیاد کو بھی معلوم تھا کہ مسلم رض کوفہ میں موجود ہیں۔ اُس نے ان کی جائے رہائش کا پتہ چلانے کے لئے ایک جاسوس معقل التمیمی کو مقرر کیا۔ اسے تین ہزار درہم دئے اور ہدایت کی کہ جب مسلم رض کا پتہ چل جائے تو اُن کے پاس جانا اور یہ رقم انہیں دے کر بیعت کی درخواست کرنا۔

معقل نے ابن زیاد کے حکم کے بموجب سرگرمی سے مسلم رض کی تلاش شروع کی۔ آخر اسے ایک بوڑھے شخص مسلم بن عوسجہ اسدی کا پتہ چلا جنہوں نے مسلم رض کے ہاتھ پر حضرت امام حسین رض کی بیعت کی ہوئی تھی۔ مسلم بن عوسجہ جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ معقل بھی وہاں پہنچ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ کب وہ نماز ختم کریں اور وہ ان سے بات کرے۔ جب مسلم نماز سے فارغ ہوئے تو معقل آگے بڑھا اور حرف مطلب زبان پر لایا۔ پہلے تو اُس نے کہا کہ میں شام کا رہنے والا ہوں اور اہل بیت سے انتہائی عقیدت رکھتا ہوں۔ مجھے خبر ملی ہے کہ اس خاندان کا ایک شخص یہاں آیا ہؤا ہے اور امام حسین رض کی بیعت لے رہا ہے۔ میری دلی آرزو ہے کہ میں ان کی زیارت کروں۔ میرے پاس تین ہزار درہم ہیں جو میں ان کی نظر کرنا چاہتا ہوں مگر مجھے کوئی آدمی ایسا نہ ملا جو مجھے اُن تک پہنچاتا یا

اُن کا پتہ بتا دیتا ۔ اب یہاں کچھ لوگوں کو باتیں کرتے سنا تو معلوم ہؤا کہ آپ بھی اسی خاندان سے عقیدت رکھتے ہیں اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہؤا ہوں کہ آپ یہ رقم مجھ سے لے لیں اور مجھے اُنکی خدمت میں پہنچا دیں تاکہ میں ان کی بیعت کر لوں ۔"

مسلم بن عوسجہ نے یہ سن کر کہا "مجھے تمہاری ملاقات سے خوشی بھی ہوئی ہے اور رنج بھی ہؤا ۔ خوشی تو اس بات سے ہوئی ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں حب اہل بیت کی نعمت سے نوازا ہے اور رنج اس بات سے ہؤا ہے کہ ابھی ہماری تحریک مستحکم نہیں ہوئی لیکن یہ راز پھیل گیا اور ابن زیاد تک یہ خبر پہنچ گئی تو وہ ظلم و ستم میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھے گا ۔

معقل نے کہا اگر آپ مجھے فی الحال مسلمرض بن عقیل کے پاس نہیں لے جا سکتے تو خود ھی میری بیعت لے لیں ۔ چنانچہ ابن عوسجہ نے اس کی بیعت لے لی ۔ ساتھ ھی اس کا اخلاص دیکھ کر مسلمرض بن عقیل سے بھی اس کا ذکر کر دیا اور کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو اسے آپ کی خدمت میں بھی حاضر کر دوں ۔ مسلمرض نے اجازت دے دی ۔

معقل ان کی خدمت میں حاضر ہؤا ۔ آپ کی بیعت کی اور وہ تین ہزار درھم جو ابن زیاد نے اسے دئے تھے ان کی خدمت میں پیش کئے ۔ مسلم بن عقیل نے یہ رقم ابو ثمامہ صائدی کو ھتھیار خریدنے کے لئے دے دی ۔ اب معقل نے کثرت سے آپ کے پاس آنا جانا شروع کیا ۔ وہ سب سے پہلے آپ کے پاس آتا اور سب کے آخر میں آپ سے رخصت ھوتا ۔ اس طرح اس نے آھستہ آھستہ وہ تمام معلومات جن کی ابن زیاد کو ضرورت تھی ، حاصل کرلیں اور اسے جاکر بتادیں ۔

ھانیؑ بن عروہ کو ابن زیاد سے خطرہ تھا ۔ ھانی چونکہ کوفہ کے سربرآوردہ اشخاص میں شمار ھوتا تھا اس لئے اس کا فرض تھا کہ وہ ابن زیاد کے پاس حاضر ھوتا لیکن اسی خوف کی وجہ سے اس نے عبیداللہ ابن زیاد کے پاس جانے کی جرأت نہ کی اور جان بوجھ کر مریض بن گیا ۔ ابن اثیر کی روایت ھے کہ جب ابن زیاد کو اس کی علالت کا حال معلوم ھؤا تو وہ بیمار پرسی کے لئے خود اس کے مکان پر آیا ۔ اس موقعہ پر عمارہ بن سلولی نے اسے مشورہ دیا کہ یہ سرکش انسان اس وقت تمہارے قابو میں آیا ھؤا ھے اسے قتل کر ڈالو ۔ لیکن ھانی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا ''میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ یہ شخص میرے گھر میں قتل کیا جائے''
کچھ دنوں کے بعد کوفہ کا ایک اور رئیس شریک بن اعور بھی بیمار ھو گیا ۔ وہ ھانی ھی کے گھر میں مقیم تھا اور ابن زیاد اور کوفہ کے دوسرے امراء اس کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے ۔ جب ابن زیاد کو معلوم ھؤا کہ شریک بن اعور بھی بیمار ھے تو اس نے اسے کہلا بھیجا کہ وہ رات کو اس کی عیادت کے لئے آئے گا ۔ شریک بن اعور نے مسلمؓ بن عقیل کو بلایا اور کہا کہ یہ فاجر و فاسق شخص رات کو میری عیادت کے لئے آئے گا ۔ جب یہ آکر اپنی نشست پر بیٹھ جائے تو تم اچانک اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دینا اور اس کے بعد دارالامارۃ پر قبضہ کر لینا ۔

اپنے وعدہ کے مطابق رات کو عبیداللہ آیا اور کافی دیر تک بیٹھا شریک سے باتیں کرتا رھا ۔ اس موقعہ پر مسلم کو رسول اللہ صؐ کی حدیث یاد آگئی جس میں حضورؐ نے فرمایا ھے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر چھپ کر حملہ نہ کرے ۔ اس لئے وہ اپنے کمرے میں خاموش بیٹھے رھے حالانکہ اگر وہ

چاھتے تو حملہ کر کے ابن زیاد کو وھیں قتل کر سکتے تھے - جب ابن زیاد چلا گیا تو شریک بن اعور نے مسلمؓ کو بلایا اور اُن سے پوچھا کہ تم خاموش کیوں بیٹھے رھے - مسلمؓ نے جواب میں رسول اللہ ص کی حدیث بیان کردی - شریک نے کہا :

''اگر تم اسے قتل کر دیتے تو ایک فاسق ، فاجر ، کافر اور دغاباز آدمی کو قتل کرتے '' -

تین دن کے بعد شریک کا انتقال ھو گیا -

ھانیٔ بن عروہ برابر بیمار بنا رھا اور ابن زیاد کی مجلس میں حاضر نہ ھؤا - کچھ عرصے کے بعد ابن زیاد نے پھر پوچھا کہ ھانیٔ ھمارے پاس کیوں نہیں آتا - لوگوں نے جواب دیا کہ وہ بیمار ھے - اس دوران میں ابن زیاد کو اپنے جاسوس کے ذریعہ ھانی کے گھر کا سارا حال معلوم ھو چکا تھا - اس نے محمد بن اشعث ، اسماء بن خارجہ اور عمر بن الحجاج کو بلایا اور اُن سے پوچھا :

'' ھانی بن عروہ ھمارے پاس کیوں نہیں آتا ؟ ''

انہوں نے جواب دیا '' اصل بات کا تو ھمیں علم نہیں البتہ یہ سنا ھے کہ وہ چند روز سے بیمار ھے - ''

ابن زیاد نے کہا '' مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ھؤا ھے کہ وہ بالکل تندرست ھے اور روزانہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھتا ھے - تم تینوں اس کے پاس جاؤ اور اُسے ھمارے پاس لاؤ - ''

چنانچہ یہ تینوں ھانی کے پاس پہنچے ، وہ واقعی اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھا ھؤا تھا - انہوں نے اسے ابن زیاد کا حکم سنایا اور اپنے ساتھ لے کر ابن زیاد کے دربار میں پہنچے - اس وقت ابن زیاد کے پاس قاضی شریح بیٹھے ھوئے تھے - انہوں نے

ابن زیاد سے کہا '' لیجئے یہ خائن اپنے پاؤں چل کر آپ کے پاس آگیا ہے '' ابن زیاد نے ہانی کی طرف دیکھ کر یہ شعر پڑھا
'' میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے -
قبیلۂ مراد سے اپنے کسی دوست کو معذرت کے لئے لا ''

ہانی بن عروہ نے پوچھا '' اے امیر ! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں ؟ ''

ابن زیاد نے کہا '' خوب ! میرے سامنے تمہارا یہ تجاہل عارفانہ کام نہیں دے گا - بتاؤ تم اپنے مکان میں امیرالمومنین کے خلاف کیا کاروائیاں کرتے ہو - تم نے مسلم رضؓ بن عقیل کو اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے - تم اُن کے لئے ہتھیار فراہم کرتے ہو - ان کے حامی تمہارے مکان میں جمع ہوتے ہیں اور امیرالمومنین کے خلاف سازشیں کرتے ہیں - کیا تمہارا یہ گمان تھا کہ تمہاری یہ کاروائیاں مجھ سے چھپی رہیں گی ؟ ''

ہانی نے جواب دیا '' نہ میں نے امیرالمومنین کے خلاف سازشیں کیں اور نہ مسلم رضؓ میرے مکان میں موجود ہیں ''

ابن زیاد نے کہا '' تم جھوٹ بولتے ہو - دیکھو تمہاری کرتوتوں کا ابھی تمہارے سامنے انکشاف ہو جاتا ہے - یہ کہہ کر اس نے اپنے جاسوس معقل کو بلایا معقل آیا اور ابن زیاد کے سامنے مؤدبانہ کھڑا ہو گیا - ابن زیاد نے ہانی سے پوچھا '' تم اس شخص کو جانتے ہو ؟ ''

ہانی نے کہا '' ہاں - ''

ہانی پر یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ معقل کو بطور جاسوس مقرر کیا گیا تھا - اور اسی نے یہ ساری خبریں ابن زیاد کو پہنچائی ہیں - اب اس کے لئے اعتراف کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہا اس نے کہا :

'' اے امیر ! میری بات سنئے اور جو کچھ میں کہتا

ہوں اس پر یقین کیجئے۔ میں نے خود مسلمؓ کو اپنے گھر پر نہیں بلایا - وہ خود میرے مکان پر آئے اور مجھ سے پناہ طلب کی - جو مجھے چار و ناچار دینی پڑی -"

ابن زیاد نے کہا " اگر یہ بات ہے تو مسلمؓ کو میرے سامنے حاضر کرو -" ہانی نے جواب دیا " یہ تو نہیں ہوسکتا - میں اپنے مہمان کو قتل کے لئے آپ کے سپرد کبھی نہیں کروں گا - خدا کی قسم اگر وہ میرے پاؤں کے نیچے چھپے ہوئے ہونگے تو اس جگہ سے میں اپنا پاؤں نہیں اٹھاؤں گا "

یہ سن کر ابن زیاد کو شدید غصہ آیا اور اس نے ہانی کو نہایت بے دردی سے ایک چھڑی سے پیٹنا شروع کیا - چھڑی کی مار سے ہانی کی ناک ٹوٹ گئی اور اس کا سارا چہرہ شدید زخمی ہوگیا - ہانی نے چاہا کہ اپنے قریب کھڑے ہوئے سپاہی سے تلوار چھین کر ابن زیاد کو قتل کر ڈالے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا - یہ دیکھ کر ابن زیاد نے کہا " اب تو خدا نے تیرا خون حلال کردیا " اور حکم دیا کہ اسے محل کے ایک حصے میں لے جاکر قید کردیا جائے۔

یہ ظلم دیکھ کر اسماء بن خارجہ سے نہ رہا گیا ، وہ کھڑا ہؤا اور کہنے لگا " آپ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم ہانی کو آپ کی خدمت میں لاکر پیش کردیں - لیکن جب ہم اسے لے آئے تو آپ نے اس سے یہ سلوک کیا کہ اس کی ناک توڑ ڈالی اور اسے زخمی کردیا - اگر ہمیں پہلے سے معلوم ہو جاتا کہ آپ کا یہ ارادہ ہے تو ہم کبھی اسے آپ کی خدمت میں حاضر نہ کرتے -"

ابن زیاد نے یہ سن کر اسے بھی زد و کوب کرنے کا حکم دیا -

ہانی اور اسماء کا یہ حشر دیکھ کر محمد بن اشعث ڈر گیا

اور اس نے حفظ ما تقدم کے طور پر کہا :

'' امیر نے جو کچھ کیا اچھا کیا ۔ ہمیں اس کے حکم کی اطاعت کرنی چاہئے اور اس کا ادب ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔''

عمر بن الحجاج ھانی کو ابن زیاد کے دربار میں حاضر کر کے خود چلا گیا تھا ۔ اسے خبر ملی کہ ھانی کو قتل کردیا گیا ہے ۔ یہ سن کر اس نے مذحج قبیلہ کو اکٹھا کیا اور انہیں ساتھ لے کر ''دارالامارۃ'' کا محاصرہ کرلیا اور پکار کر کہا :

''میں عمر بن الحجاج ہوں ۔ اور میرے ساتھ مذحج کے شہسوار ہیں ۔ ہم نے امیر کی اطاعت ترک نہیں کی لیکن ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ ہمارا سردار ھانی قتل کردیا گیا ہے ۔ ہم اس کا انتقام لئے بغیر نہیں رہیں گے ۔''

عبیداللہ بن زیاد نے یہ سن کر قاضی شریح کو جو محل ہی میں موجود تھے' حکم دیا کہ ھانی کے پاس جاؤ اور دیکھو کہ وہ زندہ ہے یا نہیں اس کے بعد مجمع کو جاکر مطمئن کردو کہ ھانی زندہ ہے ۔'' چنانچہ قاضی شریح پہلے ھانی کے پاس پہنچے ھانی نے بھی شوروغل کی آوازیں سن لی تھیں اس نے کہا میرا خیال ہے کہ یہ آوازیں قبیلہ مذحج کی ہیں ۔'' جب قاضی شریح کو ھانی کی زندگی کا یقین ہو گیا تو وہ ابن زیاد کے جاسوس کو لے کر مجمع کے پاس پہنچے اور اس سے کہا :

'' امیر نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ھانی کے پاس جاؤں چنانچہ میں اس کے پاس سے آرہا ہوں ۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ زندہ ہے اور اس کے قتل کئے جانے کی خبر بالکل جھوٹ ہے۔ البتہ امیر نے اسے پوچھ گچھ کے لئے قید کیا ہؤا ہے''

عمرو بن الحجاج اور اس کے ساتھیوں نے یہ سن کر کہا '' اگر ھانی کو قتل نہیں کیا گیا تب خیر ہے '' یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے ۔

مسلم رضؓ بن عقیل کی شہادت

اپنے میزبان ھانی کے قید کر لئے جانے کے بعد مسلم رض بن عقیل نے محسوس کیا کہ اب ان کے لئے اپنی مدافعت کرنے اور ابن زیاد کے زور کو توڑنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار باقی نہیں - انہوں نے اپنے حامیوں کو جمع کرنا شروع کیا - چنانچہ تھوڑے ھی دنوں میں چار ہزار آدمی اکٹھے ھو گئے - مسلم رض نے اپنا نعرہ ' یا منصور امت ' مقرر کیا اور باقاعدہ فوج ترتیب دے کر ہر حصہ فوج کے سالار مقرر کردئے - عبدالرحمان بن کریز کندی کو قبیلہ کندہ و ربیعہ پر مقرر کیا - مسلم رض بن عوسجہ اسدی کو قبیلہ مذحج اور اسد پر مقرر کیا - ابو تمامہ صائدی کو تمیم اور ھمدان کے لوگوں پر مقرر کیا - اور عباس بن جعدہ بن ھبیرہ کو قریش اوز انصار پر مقرر کیا - جب مقدمہ ، میمنہ اور میسرہ مقرر کرلئے تو اس فوج کو لے کر دارالامارۃ کی طرف کوچ کردیا اور اسے گھیرے میں لے لیا - اس وقت محل میں صرف تیس محافظ اور بیس معززین شہر موجود تھے -

یہ دیکھ کر ابن زیاد نے کثیر بن شہاب کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ قبیلہ مذحج کے پاس جائے اور انہیں جنگ کی شدت اور یزید کی سزاؤں کا ڈراوا دے کر مسلم رض بن عقیل کا ساتھ چھوڑنے پر مجبور کرے - اسی طرح محمد بن اشعث کو بلا کر حکم دیا کہ وہ کندہ اور حضرموت کے قبائل کے پاس جائے اور امان کا جھنڈا بلند کرکے انہیں ڈرا دھمکا کر مسلم رض کا ساتھ چھوڑ دینے کی ترغیب دے - باقی لوگوں کو جو اس وقت اس کے پاس موجود تھے اس نے قید کر دیا -

حکم کی تعمیل میں کثیر بن شہاب اور محمد بن اشعث محل سے باہر نکلے اور اپنے اپنے قبیلے والوں پر اپنا اثر ڈال کر انہیں مسلم کی فوج سے علیحدہ کرنے لگے۔ انہیں اس میں کافی کامیابی ہوئی اور سینکڑوں آدمی مسلم کی فوج سے علیحدہ ہو کر ان دونوں کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ ان لوگوں کو ساتھ لے کر قصر الامارۃ میں داخل ہو گئے۔ تاہم مسلم بن عقیل کے پاس اب بھی کافی فوج موجود تھی اور وہ اس کے ذریعہ یقیناً ابن زیاد کو شکست دے سکتے تھے۔ شام ہو گئی، پلہ مسلم کا بھاری تھا۔ اور کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر ابن زیاد نے باقی لوگوں کو جنہیں اس نے اپنے محل کے ایک کمرہ میں بند کر رکھا تھا، بلایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ بھی مسلم کے لشکر میں جائیں اور انہیں دھمکیاں اور ڈراوے دے کر مسلم سے برانگیختہ کریں۔

چنانچہ وہ لوگ مسلمؓ کے لشکر میں آئے اور انہوں نے لوگوں کو یہ کہ کر مسلمؓ سے علیحدہ کرنا شروع کیا کہ "تم اپنی جانوں پر رحم کرو اور خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ امیرالمومنین کا لشکر کوفہ کی طرف بڑھا چلا آرہا ہے۔ تم اس کا مقابلہ کس طرح کر سکو گے؟ ابن زیاد نے بھی یہ عہد کرلیا ہے کہ اگر تم نے مسلمؓ کا ساتھ نہ چھوڑا اور اپنے اپنے گھروں کو واپس نہ گئے تو وہ تمہاری اولاد کے روزینے قطعاً بند کر دے گا۔ اور اس شدت سے پکڑ دھکڑ کرے گا کہ تم لوگ بالکل تباہ ہو کر رہ جاؤ گے۔

یہ دھمکیاں اہل کوفہ پر کارگر ہونے لگیں۔ اور وہ رفتہ رفتہ مسلمؓ کا ساتھ چھوڑنے لگے یہاں تک کہ ان کے پاس صرف تیس آدمی رہ گئے جنہیں ساتھ لے کر انہوں نے مغرب کی نماز پڑھی۔ جب اندھیرا چھا گیا تو یہ تیس آدمی بھی

آپ کو چھوڑ کر چلے گئے اور ایک آدمی بھی ساتھ نہ رہا جو آپ کو گھر کا راستہ بتاتا یا آپ کی ڈھارس بندھاتا۔ نا امید ہو کر وہ کوفہ کی گلیوں میں پھرنے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کہاں جائیں۔ پھرتے پھرتے وہ قبیلہ کندہ کی ایک عورت کے مکان پر پہنچے جس کا نام طوعہ تھا۔ وہ اشعث بن قیس کی لونڈی تھی، جسے اشعث نے آزاد کردیا تھا۔ آزادی کے بعد ایک شخص اسید حضرمی نے اس سے نکاح کرلیا۔ اس کے ایک لڑکا بلال پیدا ہؤا۔ اس وقت بلال کہیں باہر گیا ہؤا تھا اور اس کی والدہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ مسلم نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور پانی مانگا۔ طوعہ نے پانی پلایا۔ پانی پینے کے بعد بھی مسلمؓ وہی ٹھیرے رہے۔ عورت نے کہا "اب اپنے گھر جاؤ۔" مسلمؓ خاموش رہے۔ عورت نے پھر کہا "اب اپنے گھر جاؤ۔" مسلمؓ پھر بھی خاموش رہے۔ اب طوعہ نے ذرا سختی سے کہا "میں تم سے کہتی ہوں کہ اپنے گھر جاؤ۔ میرے دروازے پر تمہارا کھڑا رہنا مناسب نہیں ہے"

مسلمؓ نے کہا "اے محترم خاتون! اس شہر میں نہ میرا گھر ہے اور نہ اہل و عیال۔ میں تم سے ایک درخواست کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم اسے قبول کر لو گی۔ شاید میں تمہیں بعد میں اس کا بدلہ دے سکوں"۔

عورت نے پوچھا "تمہاری درخواست کیا ہے"؟

مسلمؓ نے کہا "میں مسلم بن عقیل ہوں۔ کوفہ والوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور اب میں بالکل بے یار و مددگار ہوں۔ تم مجھے اپنے یہاں پناہ دے دو۔"

طوعہ نے انہیں اپنے گھر کی ایک کوٹھڑی میں چھپا دیا۔ ان کے لئے بستر بچھایا اور انہیں کھانا پیش کیا۔ لیکن

انہوں نے کھانا نہ کھایا ۔ اسی دوران میں اس کا بیٹا بلال بھی آگیا ۔ اس نے دیکھا کہ اس کی والدہ کوٹھڑی میں بار بار جارہی ہے ، اسے بڑا تعجب ہؤا اور اس نے پوچھا کہ تم اس کوٹھڑی میں بار بار کیوں آ جا رہی ہو ؟ پہلے تو طوعہ نے بتانے سے انکار کردیا لیکن جب بلال کا اصرار بڑھتا چلا گیا تو اس نے یہ قسم لے کر کہ وہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں کرے گا مسلمرض کا تمام ماجرا کہہ سنایا ۔

جب مسلمرض بن عقیل کے حامیوں کی آوازیں آنی بند ہو گئیں تو ابن زیاد نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ جاکر دیکھو اب باغیوں کا کیا حال ہے ۔ وہ گئے اور واپس آکر بتایا کہ اب مسلمرض کے حامیوں میں سے کوئی شخص بھی نظر نہیں آتا ۔ یہ سن کر ابن زیاد مسجد کی جانب کا دروازہ کھول کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مسجد میں آیا جو دارالامارۃ سے بالکل متصل تھی ۔ شمعیں اور قندیلیں روشن کی گئیں اور عمرو بن نافع کو کوفہ میں یہ منادی کرنے کے لئے بھیجا گیا کہ شہر کے تمام محافظ اور محلوں کے تمام بالغ مرد عشا کی نماز مسجد میں پڑھیں جو شخص مسجد میں حاضر نہیں ہوگا اس کی خیر نہ ہوگی ۔

منادی کرنے کی دیر تھی کہ لوگ مسجد میں آنے شروع ہوگئے اور تھوڑی دیر میں تمام مسجد بھر گئی ۔ نماز عشا کے وقت ابن زیاد نے محافظوں کو جا بجا کھڑا کر دیا تاکہ بے خبری میں کوئی شخص اس پر حملہ نہ کر سکے ۔ پھر خود نماز پڑھانے کھڑا ہؤا ۔ نماز کے بعد وہ منبر پر چڑھا اور کہنے لگا :-

''لوگو ! بے وقوف اور جاهل مسلمرض بن عقیل نے یہاں آکر تفرقہ اور فساد کا جو بازار گرم کیا اس کا حشر تمہارے

سامنے ہے ۔ یاد رکھو جس شخص کے گھر میں اس کا سراغ ملا وہ زندہ نہیں بچ سکے گا ۔ اللہ سے ڈرو اپنی بیعت پر قائم رہو اور فتنہ و فساد کی راہیں تلاش نہ کرو ۔"

اس کے بعد اس نے حصین بن نمیر کو حکم دیا کہ کوفہ کے ہر گھر کی تلاشی لی جائے اور مسلم کو گرفتار کرکے اس کے سامنے پیش کیا جائے ۔

طوعہ کے لڑکے بلال بن اسید نے اس خیال سے کہ اگر اس کے گھر کی تلاشی لی گئی تو پھر اس کی خیر نہیں یہ راز افشا کردینے کا فیصلہ کیا ۔ وہ صبح سویرے عبدالرحمان بن محمد اشعث کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ مسلمؓ بن عقیل اس کے مکان میں چھپے ہوئے ہیں ۔ عبدالرحمان کے والد محمد بن اشعث اس وقت ابن زیاد کے پاس گئے ہوئے تھے وہ فوراً ان کے پاس پہنچے اور سارا ماجرا کہ سنایا ۔ ابن زیاد نے محمد بن اشعث سے کہا کہ فوراً جاؤ اور مسلمؓ کو گرفتار کرکے ہمارے حضور پیش کرو ۔ ساتھ ہی پولیس کے حاکم اعلیٰ عمر بن حریث کو حکم بھیجا کہ ابن اشعث کے ساتھ پولیس کے ساٹھ یا ستر آدمی کردو جو سب کے سب قریش میں سے ہوں ۔

چنانچہ ابن اشعث ساٹھ ستر سپاہیوں کے ہمراہ طوعہ کے مکان پر آئے جہاں مسلمؓ بن عقیل چھپے ہوئے تھے ۔ مسلمؓ نے جب گھوڑوں کے ٹاپوؤں اور لوگوں کے شوروغل کی آوازیں سنیں تو انہوں نے سمجھ لیا کہ دشمن آپہنچے ۔ انہوں نے تلوار ہاتھ میں سنبھالی اور باہر نکل آئے ۔ دشمنوں نے انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کس طرح ہاتھ آسکتے تھے ؟ انہوں نے اپنی تلوار کے جوہر دکھانے شروع کئے اور دشمنوں کو مکان سے باہر دھکیل دیا ۔ سپاہیوں نے

دوبارہ مکان پر حملہ کیا لیکن مسلمؓ نے کسی کو پاس بھی نہ پھٹکنے دیا - جب انہوں نے یہ حالت دیکھی تو گھر کی پشت پر سے چھت پر چڑھ گئے اور وہاں سے پتھر اور آگ پھینکنا شروع کیا - جب مسلمؓ نے یہ دیکھا تو وہ تلوار ہاتھ میں لئے گھر سے باہر نکل آئے اور گلی میں دشمنوں کا مقابلہ شروع کردیا - یہ دیکھ کر محمد بن اشعث نے کہا :

" آپ کیوں اپنی جان بے فائدہ گنواتے ہیں ؟ میں آپ کو امان دیتا ہوں آپ خود کو میرے حوالے کر دیں -"

مسلمؓ بن عقیل زخموں سے چور ہو چکے تھے اور گھر کی دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے کھڑے تھے - انہوں نے کوئی جواب نہ دیا - ابن اشعث نے دوبارہ اپنا قول دھرایا جس پر مسلمؓ نے پوچھا " کیا واقعی تم مجھے امان دینے کا عہد کرتے ہو ؟ "

ابن اشعث نے کہا "ہاں میں تمہیں امان دینے کا عہد کرتا ہوں " دوسرے لوگوں نے بھی آپ کی حفاظت کا یقین دلایا -

مسلم نے کہا " اگر مجھے امان نہ دیتے تو میں کبھی اپنے آپ کو تمہارے حوالے نہ کرتا " - اس کے بعد ایک خچر لایا گیا اور آپ کو اس پر سوار کرایا گیا - جب آپ خچر پر سوار ہوگئے تو سپاہیوں نے چاروں طرف سے یورش کرکے آپ کی تلوار آپ کے ہاتھ سے چھین لی - یہ دیکھ کر آپ کو یقین ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے - ان کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور انہوں نے کہا "خدا کی مشیت اسی طرح تھی"-

محمد بن اشعث نے کہا " مجھے امید ہے کہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا"-

مسلم نے یہ سن کر جواب دیا ” اب تمہارا خیال ہے کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی - تمہاری امان جو تم نے مجھے ابھی دی تھی کہاں گئی ؟ لیکن میں سوائے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے اور کیا کر سکتا ہوں ؟ “ یہ کہتے کہتے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے - انہیں روتا دیکھ کر عبداللہ بن عباس سلمی نے کہا ” جس کام کے لئے تمہیں مقرر کیا گیا تھا اگر کسی دوسرے کو اسی کام پر مقرر کیا جاتا اور اس پر وہی افتاد پڑتی جو تم پر پڑ رہی ہے تو وہ کبھی نہ روتا “ -

مسلمؓ بن عقیل نے کہا ” تمہارا خیال ہے کہ میں موت کے خوف سے رو رہا ہوں ؟ ہرگز نہیں - مجھے اپنی جان کی کوئی پروا نہیں اور نہ مجھے قتل کئے جانے کا کوئی خوف ہے بلکہ میں اپنے خاندان کے ان لوگوں پر رو رہا ہوں جو عنقریب تمہارے پاس پہنچنے والے ہیں - میں حسینؓ اور آل حسین کا ماتم کر رہا ہوں “ اس کے بعد انہوں نے محمد بن اشعث سے کہا :

” میرا یقین ہے کہ تم مجھے قتل ہونے سے نہ بچا سکو گے البتہ میں تم سے ایک درخواست کرتا ہوں وہ یہ کہ تم اپنے کسی آدمی کو میرے بھائی حسینؓ کے پاس بھیج کر انہیں میرے حال کی اطلاع کرا دینا اور میری طرف سے ان سے کہلا بھیجنا کہ وہ اہل کوفہ کے دھوکے میں نہ آئیں کیونکہ یہ وہی لوگ ہیں جن سے چھٹکارا پانے کے لئے ان کے والد ہمیشہ آرزو کرتے رہے اور کہہ دینا کہ اہل کوفہ آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں اس لئے اپنے اہل و عیال کو لے کر وطن کو لوٹ جائیں “ -

ابن اشعث نے وعدہ کیا کہ وہ ان کا یہ پیغام امام حسینؓ کو پہنچا دے گا اور یہ بھی کہا کہ وہ ابن زیاد کو بھی مطلع کر دے گا کہ اس نے ان کو پناہ دی ہوئی ہے -

چنانچہ اس نے ایاس بن عثل طائی کو بلایا اور ایک خط میں وہ تمام باتیں لکھ کر جو مسلم نے کہی تھیں ایاس کے حوالے کر دیا اور کہا کہ یہ خط حسینؓ کو جس قدر جلد ممکن ہو سکے پہنچا دو۔

اس کے بعد مسلمؓ بن عقیل کو لے کر وہ ابن زیاد کے محل میں پہنچا اور اطلاع کرائی۔ ابن زیاد نے اسے اندر بلالیا۔ ابن اشعث نے اندر جاکر اسے مسلم کا تمام ماجرا سنایا اور یہ بھی کہا کہ اس نے مسلم کو امان دی ہے اس لئے انہیں کچھ نہ کہا جائے۔ ابن زیاد نے کہا "تم امان دینے والے کون ہوتے ہو؟ ہم نے تمہیں اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم اسے امان دو بلکہ اس لئے بھیجا تھا کہ اسے گرفتار کر کے ہمارے سامنے پیش کرو"۔

ابن اشعث کیا کہ سکتا تھا؟ خاموش ہو گیا۔ ابن زیاد نے مسلمؓ کو اپنے حضور میں پیش ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہیں اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ جب وہ ابن زیاد کے سامنے پہنچے تو انہوں نے اسے سلام نہ کیا۔ محافظ نے کہا:

"امیر کو سلام کرو"

مسلمؓ نے جواب دیا "اگر امیر مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے اسے سلام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر اس کا ارادہ مجھے قتل کرنے کا نہیں ہے تو میں سلام کرنے کو تیار ہوں"۔

ابن زیاد نے کہا "مجھے اپنی جان کی قسم کہ میں تجھے ضرور قتل کروں گا"

مسلمؓ نے کہا "واقعی؟" ابن زیاد نے جواب دیا "ہاں"۔

مسلمؓ نے کہا "تب مجھے تھوڑی سی مہلت دو۔ میں کسی شخص کو وصیت کر دوں"۔

ابن زیاد نے اجازت دے دی۔

مسلمؓ نے درباریوں کی طرف نظر دوڑائی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا لڑکا عمر بیٹھا ہؤا تھا۔ انہوں نے کہا "اے عمر! میرے اور تمھارے درمیان قرابت داری ہے' میں تم سے کچھ کہنا چاھتا ہوں۔ تم یہاں سے ہٹ کر میری ایک بات سن لو۔ عمر نے سنی ان سنی کردی۔ ابن زیاد نے یہ دیکھ کر عمر سے کہا۔ "تم اپنے چچا زاد بھائی کی بات کیوں نہیں سنتے؟ جاؤ اور اس کی بات سنو" چنانچہ وہ اٹھا مسلمؓ اسے لیکر محل کے ایک گوشے میں چلے گئے جہاں سے ابن زیاد انہیں دیکھ سکتا تھا۔ وھاں پہنچ کر مسلمؓ نے عمر سے کہا۔

"کوفہ آنے کے بعد میں نے لوگوں سے سات سو درھم قرض لئے تھے۔ یہ قرض میں ادا نہیں کرسکا۔ تم میری تلوار اور زرہ بیچ کر یہ قرض ادا کر دینا۔ دوسرے یہ کہ جب میں قتل کردیا جاؤں تو میرا لاشہ ابن زیاد سے لے کر حسینؓ کے پاس بھیج دینا تاکہ وہ اسے دیکھ کر واپس لوٹ جائیں۔ میں انہیں لکھ چکا ہوں کہ کوفہ کے لوگ آپ کے ساتھ ہیں اور میرا خیال ہے کہ وہ چند دنوں تک یہاں پہنچنے والے ہیں"۔

عمر نے واپس آکر تمام باتیں ابن زیاد کو بتلا دیں۔ ابن زیاد نے عمر کو مسلمؓ کی خواھشات پوری کرنے کی اجازت دے دی اور خود مسلمؓ سے اس طرح مخاطب ہؤا:

"امین کبھی تیری خیانت نہیں کرے گا۔ تیرا مال تیری ھی ملکیت ہے اور تو اسے جہاں چاھے خرچ کر سکتا ہے۔ ہم اسے ہرگز نہیں روکیں گے۔ رھا تیرا لاشہ تو ھمیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ تیرے قتل کئے جانے کے بعد اس کا کیا بنتا ہے۔

"حسین رض کے متعلق جو کچھ تو نے کہا ہے ، اگر انہوں نے ہمارا مقابلہ نہ کیا تو ہم بھی ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے"۔

اس کے بعد ابن زیاد نے کہا :

"اے ابن عقیل ! لوگ آپس میں متحد و متفق تھے ۔ تم نے آکر لوگوں میں تفرقہ ڈالا اور بھائیوں کو بھائیوں سے لڑوا دیا ۔ آخر تم نے یہ کام کس مقصد کے لئے کیا ؟"

مسلم رض نے جواب دیا ۔ "جو کچھ تم کہتے ہو غلط کہتے ہو ۔ میں ہرگز اس مقصد کے لئے نہیں آیا ۔ بلکہ کوفہ والوں کا خیال تھا کہ تمہارے باپ نے ان کے بزرگوں اور نیک لوگوں کو قتل کیا اور ان کا خون بہایا اور اپنے عہد میں کسریٰ و قیصر کی روایات کو تازہ کردیا ۔ اس لئے ہم یہاں آئے تاکہ عدل و انصاف کو قائم کریں اور لوگوں کو کتاب وسنت کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیں"۔

ابن زیاد نے کہا :

"کہاں تم اور کہاں کتاب و سنت کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت ! خداتعالیٰ مجھے تباہ کرے اگر میں تمہیں اس طرح قتل نہ کروں کہ زمانۂ اسلام میں آج تک اور کسی کو اس طرح قتل نہ کیا گیا ہو"۔

مسلم رض نے جواب دیا "واقعی اسلام میں بدعتیں پیدا کرنے کے تم سب سے زیادہ حق دار ہو ۔ خباثت اور کمینگی میں تمہارا کوئی ثانی نہیں ۔"

اس پر ابن زیاد اور مسلم رض میں تلخ کلامی شروع ہوگئی ۔ آخر ابن زیاد نے بکیر بن حمران الاحمری کو حکم دیا کہ مسلم کو محل کی چھت پر لے جاؤ اور وہاں ان کی گردن اڑا دو ۔ چنانچہ بکیر انہیں اپنے ساتھ لے گیا ۔ مسلم برابر

تکبیر ، استغفار اور درود پڑھ رہے تھے اور یہ دعا مانگ رہے تھے :

” اے اللہ ! ہمارے اور اس قوم کے درمیان تو خود ہی فیصلہ فرما جس نے ہمیں دھوکا دیا اور جس نے ہمیں جھٹلایا“۔

محل کے سامنے لوگوں کا ایک جم غفیر موجود تھا ۔ بکیر نے مسلم کو چھت پر لے جاکر سب لوگوں کے سامنے اُن کی گردن اڑادی ۔ آپ کی شہادت ۹ ذی الحجہ ٦٠ھ (مطابق ١٠ ستمبر ٦٨٠ء) کو بروز بدھ ہوئی ۔

مسلمؓ بن عقیل کا یہ انجام دیکھ کر محمد بن اشعث کو ہانی بن عروہ کی طرف سے فکر پیدا ہؤا جسے ابن زیاد نے اپنے محل میں قید کر رکھا تھا ۔ اس نے ابن زیاد سے کہا :

” آپ کو معلوم ہے کہ ہانی کس رتبے کا انسان ہے اور کوفہ میں اس کا اور اس کے خاندان کا کتنا اثر ہے ۔ لوگوں کو پتہ ہے کہ میں ہی اسے آپ کے پاس لایا تھا ۔ اس لئے میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اسے کوئی ضرر نہ پہنچائیں ورنہ میری خیر نہ ہوگی“۔

ابن زیاد نے ابن اشعث کو یقین دلایا کہ ہانی کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی ۔ لیکن وہ اپنے وعدہ پر قائم نہ رہا اور بعد میں حکم دیدیا کہ بازار میں لے جاکر ہانی کی گردن اڑا دی جائے ۔ سپاہی اسے لے کر جب بازار میں پہنچے تو ہانی نے مذحج قبیلے کو اپنی مدد کے لئے پکارا لیکن کوئی شخص مدد کے لئے نہ آیا ۔ آخر اس نے اپنی قوت بازو سے کام لیا اور اپنا ہاتھ محافظ سے چھڑا لیا ۔ لیکن سپاہی فوراً اس پر ٹوٹ پڑے اور دوبارہ اس کی مشکیں کس لیں ۔ اس کے بعد ابن زیاد کے ایک ترکی غلام رشید نے تلوار نکال کر اس کا کام تمام کر دیا ۔

احمد بن داؤد دینوری کی روایت یہ ہے کہ ابن زیاد نے ہانی کے قتل کا اسی وقت حکم دیدیا تھا جب عمرو بن الحجاج مذحج قبیلے کو لے کر قصرالامارۃ پر حملہ آور ہؤا تھا اور ابن زیاد کی طرف سے یہ یقین دلانے پر کہ ہانی زندہ ہے وہ واپس چلا گیا تھا - دینوری نے لکھا ہے کہ جب ابن زیاد کو معلوم ہؤا کہ مذحج قبیلہ واپس چلا گیا ہے تو اس نے حکم دیا کہ ہانی کو بازار میں لے جا کر قتل کر دیا جائے - چنانچہ اس کے حکم کی اسی وقت تعمیل کر دی گئی -

مسلمؓ بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے ہانی بن ابی حیۃ الوداعی اور زبیر بن الاروح تمیمی کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ مقتولین کے سر یزید کے پاس لے جائیں - اور اپنے کاتب عمر بن نافع کو ہدایت کی کہ وہ امیرالمومنین کے نام ایک خط کا مسودہ بنا کر پیش کرے - عمر بن نافع نے جو مسودہ پیش کیا وہ بہت لمبا تھا - ابن زیاد اسے دیکھ کر جھلا اٹھا اور کہنے لگا :

''ان طول طویل باتوں اور فضولیات سے کیا فائدہ ؟''

پھر خود خط کی عبارت لکھوائی :—

''خدا تعالیٰ کا شکر ہے جس نے امیرالمومنین کے حق کو ضائع نہ ہونے دیا اور ان کے دشمنوں کو نیست و نابود کیا - امیرالمومنین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مسلم بن عقیل نے ہانی بن عروہ مرادی کے گھر میں پناہ لی تھی - میں نے ان دونوں پر اپنے جاسوس مقرر کر دئے تھے - انتہائی ہوشیاری اور مختلف تدابیر سے کام لے کر میں نے ان دونوں کا پتہ لگایا - خدا تعالیٰ نے مجھے ان کی گرفتاری کی توفیق عطا فرمائی - میں نے ان دونوں کی گردنیں اڑا دیں اور ان کے سر آپ کی خدمت میں ہانی بن ابی حیۃالوداعی اور زبیر بن الاروح تمیمی

کے ہاتھ بھیج رہا ہوں۔ یہ دونوں امیرالمومنین کے فرمانبردار ہیں۔ واقعات کی تفصیل آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں کیونکہ انہیں تمام حالات کا اچھی طرح پتہ ہے۔ والسلام۔"

جب یزید کے پاس ابن زیاد کا خط اور مسلم اور ہانی کے سر پہنچے تو وہ بہت خوش ہؤا اور ابن زیاد کو جواب میں یہ خط لکھا:—

"تمہارا مکتوب اور مسلم اور ہانی کے سر پہنچے۔ تم نے جو کچھ کیا وہ انتہائی دانشمندی اور شجاعت کا کام تھا اور حالات کے عین مطابق۔ مجھے خوشی ہے کہ جو کام میں نے تمہارے سپرد کیا تھا اس کی بجا آوری میں تم نے کسی قسم کی کوتاہی سے کام نہ لیا۔ میں نے تم سے جو امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں تم نے انہیں پورا کر دکھایا۔ میں نے تمہارے قاصدوں سے تمام حالات تفصیل سے پوچھے، میں نے انہیں ویسا ہی پایا جیسا تم نے اپنے خط میں لکھا تھا۔ مجھے معلوم ہؤا ہے کہ حسین رض عراق کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ تم نگرانی اور جاسوسی کا سختی سے انتظام کرو۔ کسی کی طرف سے ذرا بھی شک ہو تو اسے قید کر دو۔ جس شخص پر بغاوت کا جرم ثابت ہو جائے اسے قتل کر دو۔ البتہ جب تک کوئی تمہارے مقابلے میں تلوار نہ اٹھائے تم بھی اس کے مقابلے میں تلوار نہ اٹھاؤ۔ تمام پیش آمدہ حالات سے مجھے مطلع کرتے رہو۔"

اس تمام سرگذشت سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسلم رض کو جرآت اور دلیری کا بے نظیر ملکہ ودیعت کیا تھا۔ وہ ابن زیاد کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں لیکن ان کی کسی ایک بات سے بھی خوف اور ڈر کا اظہار نہیں ہوتا۔ وہ نہایت دلیری سے ابن زیاد سے باتیں کرتے ہیں۔ اور اس

کی سخت گیری کو قطعاً خاطر میں نہیں لاتے۔ اس سے بھی بڑھ کر آپ کی جرأت کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ جبکہ آپ دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو چکے ہیں، امام حسینؓ کو یہ پیغام بھجوانے کا بندوبست کر دیتے ہیں کہ کوفہ کے لوگ قطعاً اعتبار کے قابل نہیں ہیں اور وہ اپنی بیعتیں فسخ کر کے ابن زیاد سے مل چکے ہیں اس لئے آپ یہاں آنے کا قصد نہ فرمائیں۔ کیونکہ اگر آپ یہاں تشریف لے آئے تو وہ آپ کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں گے جو انہوں نے میرے ساتھ کیا ہے۔ آپ کے ساتھ آپ کے چند جاں نثار ساتھی اور اہل و عیال کے علاوہ اور کوئی نہ ہوگا، جو کسی صورت میں بھی ابن زیاد کی مضبوط فوج کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

کوفہ کو روانگی

یزید نے جس وقت سنا کہ مدینہ کے عامل ولید بن عتبہ کی غفلت اور لاپروائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امام حسینؓ مدینہ سے نکل کر مکہ پہنچ گئے اور وہ ان سے بیعت نہ لے سکا تو اس کے غیض و غضب کی انتہا نہ رہی اور اس نے ولید کو اس کے عہدے سے معزول کر کے اس کی جگہ عمرو بن سعید کو مدینہ کا والی مقرر کر دیا ۔ حضرت امام حسینؓ مکہ میں ۳ شعبان ۶۰ھ مطابق ۹ مئی ۶۸۰ء کی رات کو داخل ہوئے تھے۔ شعبان ، رمضان ، شوال اور ذوالقعدہ کے مہینے آپ نے مکہ میں گزارے اور ۸ ذوالحجہ ۶۰ھ مطابق ۹ ستمبر ۶۸۰ء کو وہاں سے کوفہ روانہ ہوئے۔ مکہ میں آپ کے قیام کے دوران میں حجاز اور بصرہ کے متعدد اشخاص نے آپ کے پاس آ کر اپنی خدمات پیش کیں اور آپ کے لئے ہر قربانی کرنے پر آمادگی ظاہر کی ۔ اس طرح آپ کے مدد گاروں میں اضافہ ہوتا چلا گیا ۔

جس وقت آپ کو مسلمؓ بن عقیل کا خط ملا کہ آپ بے خطر کوفہ تشریف لے آئیں ' اہل عراق آپ کے حامی ہیں اور بنی امیہ سے بیزار' تو آپ نے عراق جانے کی تیاریاں شروع کر دیں ۔ جب آپ کے دوستوں اور رشتہ داروں کو آپ کے اس ارادے کا علم ہؤا تو انہوں نے آپ کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی ۔ عبداللہ بن زبیر جو مکہ میں موجود تھے' آپ کے پاس آئے اور کہا :—

"آپ حجاز میں مقیم رہ کر لوگوں کو اپنی خلافت کی دعوت دیجئے اور اہل عراق کو لکھئے کہ وہ یہاں آ کر آپ کی مدد کریں۔ ہم لوگ بھی آپ کی ہر قسم کی مدد کریں گے۔"

حضرت امام حسین رض نے مشورے کو رد کرتے ہوئے کہا: "میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ حرم کا ایک مینڈھا حرم کی حرمت کو زائل کرنے کا باعث ہو گا۔ میں وہ مینڈھا بننا نہیں چاہتا۔"

عبداللہ بن عباس بھی یہ خبر سن کر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: "لوگوں میں اس بات کا چرچا ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں۔ کیا واقعی آپ کا یہی ارادہ ہے؟"

حضرت امام حسین رض نے جواب دیا "ہاں۔ انشاءاللہ ایک دو دن میں میں عراق روانہ ہو جاؤں گا۔"

ابن عباس نے کہا: "میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ اس ارادے سے باز آیئں اور اپنے آپ کو جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ اگر اہل عراق جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے آپ کے حامی اور مددگار ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ شامی حاکم کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیں اور اپنے دشمنوں کو وہاں سے نکال دیں۔ اس صورت میں آپ بڑی خوشی سے وہاں تشریف لے جائیں۔ لیکن اگر انہوں نے آپ کو ایسی حالت میں بلایا ہے کہ ان کا امیر موجود ہے، اس کی حکومت قائم ہے اور اس کے عمال خراج وصول کرتے ہیں تو یقین جانئے کہ انہوں نے آپ کو محض جنگ کے لئے بلایا ہے تا کہ آپ کو لڑائی میں جھونک دیں اور خود

آپ کو دھوکا دے کر اور بے یار و مدد گار چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں - انہوں نے آپ کے والد اور بھائی کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا تھا -''

حضرت امام حسین رضؓ نے جواب دیا ''میں استخارہ کروں گا -''

دوسرے دن عبداللہ بن عباس پھر آئے اور کہا : -

''ابن عم ! میرا دل نہیں مانتا - مجھے اس راستے میں آپ کی ھلاکت کا خوف ھے - اھل عراق بڑے فریبی اور دھوکے باز ھیں آپ ھر گز ان کے پاس نہ جائیں - آپ اھل حجاز کے سردار ھیں، مکہ میں ھی مقیم رھئے - لیکن اگر آپ کو یہاں سے جانے ھی پر اصرار ھے تو یمن چلے جائیں - وہ ایک وسیع ملک ھے - وھاں قلعے اور گھاٹیاں ھیں - آپ کے والد کے حامی بھی وھاں موجود ھیں - وھاں قیام کر کے بلاد اسلامیہ میں اپنی خلافت کا پیغام بھیجئے - مجھے امید ھے کہ اس طرح آپ کا مقصد بہت خوش اسلوبی اور امن و عافیت سے حاصل ھو جائے گا -''

حضرت امام حسین رضؓ نے یہ سن کر فرمایا :

''مجھے یقین ھے کہ آپ میرے ناصح ، مشفق ھیں لیکن اب تو میں نے عراق کی روانگی کا فیصلہ کر ھی لیا ھے - ''

جب ابن عباس رضؓ امام حسین رضؓ سے مایوس ھو گئے تو انہوں نے کہا : ''اچھا اگر آپ کو جانا ھی ھے تو خود چلے جائیں ، عورتوں اور بچوں کو نہ لے جائیں - مجھے ڈر ھے کہ کہیں آپ کو بھی حضرت عثمان رضؓ کی طرح بچوں اور عورتوں کے سامنے شہید نہ کر دیا جائے -''

لیکن امام حسین رضؓ نے ایسا کرنے سے بھی انکار کر دیا - بعد میں جب کربلا کے میدان میں آپ کے سب ساتھیوں کو

شہید کر دیا گیا اور آپ کی شہادت کا وقت آیا تو آپ کے اہل و عیال خیموں سے باہر نکل کر جزع فزع کرنے لگے۔ اُس وقت آپ کو ابن عباس کی یہ نصیحت یاد آئی اور آپ نے فرمایا:

"واقعی ابن عباس نے مجھے صحیح مشورہ دیا تھا۔ کاش میں اُن کی بات مان لیتا!"

ابن عمر اور دوسرے بہی خواہوں نے بھی آپ کو روکنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ آخر آپ ۸ ذوالحجہ ۶۰ھ (مطابق ۹ ستمبر ۶۸۰ء کو اپنے اہل و عیال کے ہمراہ مکہ سے روانہ ہوگئے۔ جب آپ صفاح کے مقام پر پہنچے تو یہاں آپ کو مشہور محب اہل بیت شاعر فرزدق ملا۔ آپ نے اس سے عراق کے حالات دریافت کئے۔ اس نے جواب دیا:

"لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں۔ قضاء الٰہی آسمان سے اُترتی ہے اور خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

یہ سن کر آپ نے فرمایا: "تم نے سچ کہا اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر اس کا حکم ہمارے موافق ہؤا تو ہم اس کی ستایش کریں گے لیکن اگر بر خلاف ہؤا تب بھی ہماری نیت نیک ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں ثواب سے محروم نہیں رکھے گا۔"

آپ نے یہ کہہ کر اپنا سفر جاری رکھا۔ کچھ دور اور آگے گئے تھے کہ عون اور محمد آپ کے پاس پہنچے۔ وہ عبداللہ بن جعفر کا خط لائے تھے جس میں لکھا تھا:—

"میں آپ کو خدا تعالیٰ کا واسطہ دلاتا ہوں کہ جس وقت میرا یہ خط آپ کو ملے آپ لوٹ آیئے، کیونکہ جس جگہ

آپ جا رہے ہیں مجھے ڈر ہے کہ وہاں آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کی بربادی ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ ہلاک ہو گئے تو دنیا تاریک ہو جائے گی' کیونکہ اس وقت آپ ہی ہدایت یافتگان کا علم اور مومنوں کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ آپ سفر میں جلدی نہ کیجئے۔ میں بھی جلد آپ کے پاس پہنچتا ہوں۔''

یہ خط لکھنے کے بعد عبداللہ بن جعفر نے عمرو بن سعید حاکم مدینہ سے کہا کہ وہ بھی اپنی جانب سے ایک خط لکھ کر امام حسینؓ کو واپس بلا لے عمرو نے کہا تم خود خط لکھ لاؤ۔ میں اپنی مہر اس پر لگادوں گا۔ چنانچہ عبداللہ نے والی کی طرف سے مندرجہ ذیل خط لکھا :-

''میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اس راستہ سے موڑ دے جدھر آپ جا رہے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں۔ میں آپ کو خدا تعالیٰ کا واسطہ دلا کر عرض کرتا ہوں کہ آپ افتراق اور انشقاق سے باز آئیں۔ اس میں آپ کے لئے ہلاکت ہے۔ میں عبداللہ بن جعفر اور اپنے بھائی کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ آپ ان کے ساتھ لوٹ آئیں۔ میں آپ کو امان دیتا ہوں۔ آپ کے ساتھ صلہ رحمی اور بھلائی سے پیش آؤں گا۔ آپ کی مدد کروں گا۔ آپ میرے پاس نہایت اطمینان اور راحت سے زندگی گزاریں گے۔ خداتعالیٰ اس پر شاھد ہے۔ وہی اس کا نگہبان اور وکیل ہے۔''

عبداللہ بن جعفر یہ خط لے کر حضرت امام حسینؓ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے اسے پڑھا اور پڑھ کر فرمایا : ''میں نے خواب میں رسول اللہ کی زیارت کی ہے۔ آپ نے مجھے ایک

کام کرنے کا حکم دیا ہے، میں وہ کام ضرور سرانجام دوں گا خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔''

عبداللہ بن جعفر نے پوچھا: ''وہ کام کیا ہے؟''

آپ نے جواب دیا: ''وہ نہ میں نے کسی کو بتایا ہے اور نہ بتاؤں گا، جب تک اپنے رب کے حضور میں حاضر نہ ہو جاؤں۔''

مجبور ہو کر عبداللہ بن جعفر واپس آگئے لیکن عون اور محمد کو آپ کے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔

ادھر جب ابن زیاد نے سنا کہ حضرت امام حسینؓ کوفہ کی جانب بڑھتے چلے آ رہے ہیں تو اس نے پولیس کے افسر اعلیٰ حصین بن نمیر کو آپ کے روکنے پر مامور کیا۔ اس نے قادسیہ سے لے کر خفان، قطقطانہ اور جبل لعل تک سواروں کو مقرر کر دیا کہ وہ امام حسینؓ کے قافلے کی نقل و حرکت کی خبریں دم بدم اسے دیتے رہیں۔ اور اہل کوفہ اور امام حسینؓ کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ قائم نہ رہے۔ اس انتظام کا نتیجہ یہ ہؤا کہ نہ اس علاقے سے کوئی شخص باہر جا سکا اور نہ اندر آ سکا۔

حضرت امام حسینؓ جس وقت حاجز کے مقام پر پہنچے تو آپ نے قیس بن مسہر صیداوی کے ہاتھ اہل کوفہ کو ایک خط بھیجا جس میں آپ نے اپنے آنے کی اطلاع دی تھی اور انہیں تیاری کا حکم دیا تھا۔ جس وقت قیس قادسیہ پہنچے تو حصین کے مقرر کئے ہوئے سپاہیوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ حصین نے انہیں ابن زیاد کے پاس کوفہ بھجوا دیا۔ ابن زیاد نے خط پڑھا اور انہیں حکم دیا:

''محل کی چھت پر چڑھ جاؤ اور کذاب بن کذاب حسین

(نعوذباللہ من ذالک الخرافات) کو گالیاں دو ۔''

قیس چھت پر چڑھ گئے اور کہا :—

,, اے لوگو ! یہ حسین رض بن علی رض کا خط ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ کے فرزند ، اور مخلوق میں بہترین آدمی ہیں ۔ میں ان کا قاصد ہوں جو تمہارے پاس آیا ہوں ۔ وہ حاجز تک پہنچ چکے ہیں ، تم ان کی دعوت کو قبول کرو ،، یہ کہ کر انہوں نے ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت بھیجی اور حضرت علی رض کے لئے استغفار کیا ۔

ابن زیاد یہ دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ قیس کو چھت پر سے نیچے پھینک دیا جائے ۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور مسلم رض کے بعد اسی محل میں قیس کو بھی جام شہادت نوش کرنا پڑا ۔

حضرت امام حسین رض جب بطن رملہ سے آگے بڑھ کر عربوں کے ایک چشمے پر پہنچے تو انہیں عبداللہ بن مطیع ملے جو عراق سے واپس آ رہے تھے ۔ عبداللہ بن مطیع نے آپ سے پوچھا :—

'' اے ابن رسول اللہ ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ۔ آپ اللہ تعالیٰ اور اپنے جد امجد کے حرم سے باھر کیوں نکلے ہیں ؟

حضرت امام حسین رض نے فرمایا : '' کوفہ والوں نے ہمیں بلایا ہے ۔''

عبداللہ نے کہا :

'' میں اسلام اور قریش کی حرمت کے لئے آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اپنے اس ارادے سے باز آئیے ۔ گر آپ نے خلافت کا دعویٰ کیا جو اس وقت بنو امیہ کے

ھاتھ میں ھے تو آپ ضرور شہید کر دئے جائیں گے - اگر بنوامیہ نے آپ کو شہید کر دیا تو آپ کے بعد وہ کسی سے بھی ڈرنے والے نہیں ھیں - اس طرح قتل و غارت کا ایک لامتناھی سلسلہ شروع ھو جائے گا -"

حضرت امام حسین نے اُن کے مشورہ کو بھی رد کر دیا اور فرمایا : "جو کچھ خداتعالیٰ نے لکھ دیا ھے اس سے زیادہ اور کیا ھو سکتا ھے؟" چنانچہ آپ نے کوفہ کی جانب اپنا سفر جاری رکھا - جب آپ زرود کے مقام پر پہنچے تو آپ کو ایک خیمہ نظر آیا - پوچھنے پر معلوم ھوا کہ وہ زھیربن قین بجلی کا خیمہ ھے - زھیر حضرت عثمانرض کے طرفداروں میں سے تھا اور وہ حج سے فارغ ھو کر کوفہ جا رھا تھا - حضرت امام حسینرض نے اسے بلا بھیجا - پہلے تو اس نے تردد کیا لیکن بعد میں اپنی بیوی کے اصرار پر وہ آپ سے ملنے چلا گیا - حضرت امام حسینرض کی ملاقات کا اس کے دل پر اتنا اثر ھؤا کہ اس نے اسی وقت اپنا خیمہ اکھڑوا کر اسے حضرت امام حسینرض کے خیمے کے قریب نصب کروا دیا - اس کے بعد اپنے ساتھیوں سے مخاطب ھو کر کہا کہ تم میں سے جو لوگ شہادت کے طلب گار ھوں وہ میرے ساتھ چلیں اور جو لوگ اتنی ھمت اپنے اندر نہیں رکھتے وہ آگے بڑھ جائیں - لیکن کوئی شخص اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہ ھوا اور سب لوگ کوفہ چلے گئے - پھر اس نے اپنی بیوی کو بلایا اور اسے طلاق دے کر کہا کہ تم اپنے بھائی کے ساتھ گھر لوٹ، جاؤ - میں نے امام حسینرض کا ساتھ دینے کا تہیہ کر لیا ھے' میں نہیں چاھتا کہ میری وجہ سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچے -

زھیر نے حضرت امامرض کے ساتھ جام شہادت نوش کیا -

ثعلبیہ کے مقام پر حضرت امام حسینؓ کو مسلمؓ بن عقیل کی شہادت کا حال معلوم ہؤا۔ بنو اسد کے دو اعرابی کوفہ سے آ رہے تھے۔ آپ نے ان سے وہاں کا حال پوچھا۔ انہوں نے کہا: ''اے ابن رسول اللہ! لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں ابن زیاد کے ساتھ ہیں اور وہ آپ پر ہی چلیں گی۔ اس لئے آپ واپس لوٹ جائیے۔'' اس کے بعد انہوں نے مسلمؓ کی شہادت کا واقعہ تفصیل سے سنایا۔

حضرت امام حسینؓ نے یہ جاں گداز واقعہ سن کر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ اس اطلاع کے بعد آپ کے کئی ساتھیوں نے قسمیں دلا دلا کر آپ سے عرض کیا کہ ''آپ یہیں سے واپس لوٹ چلئے۔ کوفہ میں آپ کا کوئی حامی اور مددگار نہیں ہے۔ بلکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کوفہ پہنچنے پر کوفہ والے آپ کے خلاف میدان میں نکل آئیں گے۔''

اس موقع پر مسلمؓ کے بھائی کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا: ''خدا تعالیٰ کی قسم ہم اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹیں گے جب تک کہ ہم اپنے بھائی کا بدلہ نہ لے لیں گے یا خود بھی وہی پیالہ نہیں پی لیں گے جو مسلم نے پیا ہے۔''

حضرت امام حسینؓ نے فرمایا: ''ان لوگوں کے بعد ہماری زندگی کس کام کی ہوگی۔'' بعض لوگوں نے کہا: ''خدا تعالیٰ کی قسم! آپ کے ساتھ مسلمؓ بن عقیلؓ کا سا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ جونہی آپ کوفہ پہنچیں گے لوگ جوق در جوق آپ کی فوج میں آ کر شامل ہو جائیں گے۔''

چنانچہ یہاں سے بھی قافلہ آگے بڑھا۔ حضرت امام حسینؓ جن جن چشموں سے گزرتے تھے۔ لوگ جوق در جوق آپ کی فوج میں آ کر شامل ہوتے جاتے تھے۔ جب آپ

"زبالہ" کے مقام پر پہنچے تو آپ کو آپ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر ملی - انہیں بھی آپ نے راستے سے مسلمؓ کے پاس بھیجا تھا - حصین بن نمیر کے سواروں نے انہیں بھی گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھجوا دیا تھا - ابن زیاد نے انہیں بھی حکم دیا کہ "محل کی چھت پر چڑھ کر کذاب بن کذاب حسین (نعوذ باللہ) پر لعنت بھیجو۔" وہ محل کی چھت پر چڑھے اور قیس کی طرح انہوں نے بھی اہل کوفہ سے کہا کہ "حضرت امام حسینؓ تشریف لا رہے ہیں - تم ابن زیاد کے مقابلے میں ان کی مدد کرو - " ابن زیاد نے انہیں بھی چھت پر سے نیچے دھکا دے دینے کا حکم دیا - چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی - وہ محل کے نیچے پڑے ہوئے سسک رہے تھے کہ ایک شخص عبدالمومن بن عمیر لخمی وہاں پہنچا اور خنجر سے آپ کو ذبح کر دیا - اس کے ساتھیوں نے اس فعل پر اسے برا بھلا کہا اس نے کہا : "میں نے یہ کام عبداللہ کو آرام پہنچانے کی خاطر کیا ہے کیونکہ میں ان کے سسکنے کو برداشت نہ کر سکتا تھا -"

زبالہ سے عبداللہ بن یقطر کو مسلمؓ کے پاس بھیجنے کے کچھ عرصے بعد حضرت امام حسینؓ کو محمد بن اشعث اور عمر بن سعد کے قاصد ملے - اور انہیں مسلمؓ بن عقیلؓ کی وصیت سے جو انہوں نے مرنے سے پہلے محمد اور عمر کو کی تھی آگاہ کیا - انہوں نے آپ کو مسلمؓ بن عقیل کی بے کسی کی موت اور کوفہ والوں کی غداری کا پورا حال سنا دیا - بنو اسد کے اعرابیوں نے آپ کو مسلمؓ بن عقیل کی شہادت کے متعلق جو خبر دی تھی، ابن اشعث اور ابن سعد کے قاصدوں کے ذریعہ اس کی تصدیق ہو گئی -

جب حضرت امام حسینؓ کو یکے بعد دیگرے اس قسم کی خبریں ملنی شروع ہوئیں تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کرکے تقریر کی جس میں کہا: "مسلمؓ بن عقیل اور ھانی بن عروہ کے قتل کی خبریں موصول ہوچکی ہیں۔ ہمارے شیعوں نے ہمارا ساتھ چھوڑدیا ہے۔ اس لئے تم میں سے جو شخص لوٹنا چاہے وہ بلا تامل لوٹ جائے۔ ہماری جانب سے اس پر کوئی الزام نہیں۔"

یہ تقریر سن کر لوگ چھٹنے شروع ہوگئے اور صرف وہی لوگ باقی رہ گئے جو آپ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے۔ یا وہ چند مخلص خدام جو راستے میں آپ کے ساتھ ہو لئے تھے۔

حضرت امام حسینؓ کو معلوم تھا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں ان میں سے اکثر کا خیال یہ ہے کہ وہ ایسے شہر میں جا رہے ہیں جہاں کے باشندے حضرت امام حسینؓ کے پورے طور پر مطیع ہیں۔ اور وہ آسانی سے شہر پر قابض ہو جائیں گے۔ اس لئے آپ نے چاہا کہ ان کے سامنے تمام حالات کی تفصیل رکھ دی جائے۔ اور انہیں بتا دیا جائے کہ ان کے ساتھ کیا کیا واقعات پیش آنے والے ہیں تا کہ اس کے بعد جو لوگ آپ کے ساتھ رہیں وہ وہی ہوں جو آپ کی رفاقت کو موت پر ترجیح دیں اور موت کی قطعاً پروا نہ کریں۔

زبالہ سے آگے بڑھ کر آپ نے بطن عقبہ میں قیام فرمایا۔ اس جگہ بنو عکرمہ کا ایک شخص ملا جس نے آپ کو بتایا کہ ابن زیاد نے قادسیہ سے لے کر عذیب تک سواروں کا ایک جال بچھا دیا ہے تاکہ آپ زندہ واپس نہ جا سکیں، اس لئے آپ واپس لوٹ جائیں۔ لیکن حضرت امام حسینؓ نے فرمایا: "میں خدا تعالیٰ کے حکم کو بہر حال بجا لاؤں گا۔"

کوفہ کے راستوں کی ناکہ بندی کرنے سے ابن زیاد کی

غرض یہ تھی کہ نہ حضرت امام حسینؓ کوفہ پہنچ سکیں اور نہ کوفہ والوں کو حضرت امام حسینؓ کی نقل و حرکت کا پتہ چل سکے بلکہ راستے میں ہی آپ کا مقابلہ کر کے آپ کو شہید کر دیا جائے۔ آگے چل کر جو واقعات پیش آئے ان سے یہ امر بالکل ثابت ہو جاتا ہے کہ ابن زیاد جانتا تھا کہ امام حسینؓ کے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اسے شکست دے سکیں یا لوگوں کو بغاوت کے لئے آمادہ کر سکیں۔ لیکن چونکہ اس کا واحد مقصد حضرت امام حسینؓ کی جان لینا تھا اس لئے اس نے اس مقصد کے حصول کے لئے انتہائی شرمناک طریقے استعمال کئے۔ اگر وہ چاہتا تو بڑی آسانی کے ساتھ حضرت امام حسینؓ کو کوفہ لے جاتا اور یزید سے آپ کے متعلق مشورہ طلب کرتا۔ حضرت امام حسینؓ ہرگز اس سے تعرض نہ کرتے۔ لیکن وہ آپ کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ اس نے دوراندیشی، عقل اور سمجھ، سب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ کام کیا کہ قیامت تک آنے والی نسلیں اس پر لعنت بھیجتی رہیں گی۔

اور جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے

ابن زیاد نے عراق کے طول و عرض میں ، ہر اس راستے پر جو سرزمین حجاز کو جاتا تھا اور کوفہ کے ارد گرد اپنے لشکر پھیلائے ہوئے تھے تا کہ امام حسین رض کا کسی نہ کسی لشکر سے ضرور سامنا ہو جائے اور وہ اس کے چنگل سے نہ نکل سکیں ' جس طرح وہ عامل مدینہ اور امیر مکہ کے ہاتھوں سے نکل چکے تھے ۔

حضرت امام حسین رض نے مکہ سے عراق تک کا سفر انتہائی مشقت اور تکلیف سے طے کیا ۔ زمین انتہائی ناہموار تھی' راستے میں جابجا اونچے نیچے گڑھے ، چھوٹی بڑی پہاڑیاں اور وسیع صحرا تھے ۔ موسم شدید گرمی کا تھا ۔ بطن عقبہ کے بعد آپ کا مختصر سا لشکر شراف میں اترا ۔ شراف عراق کی سرحد پر واقع تھا ۔ اب محرم ۶۱ھ (اکتوبر ۶۸۰ء) شروع ہوچکا تھا ۔ عین دوپہر کے وقت آپ نے دیکھا کہ ایک لشکر چلا آرہا ہے ۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ ابن زیاد کا کوئی لشکر ہے ۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا بہتر یہ ہے کہ ہم پہاڑ کے دامن میں خیمہ زن ہوں تاکہ ہمیں دشمن کا صرف ایک جانب سے مقابلہ کرنا پڑے ۔ زہیر بن قین نے کہا ''آپ کی رائے بالکل ٹھیک ہے ۔ ہمارے قریب ہی بائیں جانب ' جبل ذی حسم ' ہے' ہم جلدی سے اس کے دامن میں پہنچ کر ڈیرے ڈال لیں ۔ اگر دشمن وہاں پہنچ گیا تو جو فائدہ ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اسے حاصل ہو جائے گا ۔''

حضرت امام حسین رض نے اپنے ساتھیوں کو جلد از جلد کوچ کرنے اور جبل ذی حسم پر پہنچکر ڈیرے ڈالنے کی ہدایت فرمائی - چنانچہ تھوڑی دیر میں آپ کا قافلہ جبل ذی حسم پہنچ گیا -

جو لشکر آپ کو دکھائی دیا تھا وہ حر بن یزید تمیمی یربوعی کا تھا جسے ابن زیاد نے امام حسین رض کا راستہ روکنے اور انہیں گھیرے میں لینے کے لئے روانہ کیا تھا - حر کے لشکر نے آپ کے لشکر کے بالمقابل پڑاؤ ڈال دیا - حضرت امام حسین رض نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا :

" ان لوگوں کو پانی پلاؤ اور ان کے گھوڑوں کو سیراب کرو - یہ دوپہر میں چلے آرہے ہیں - "

آپ کے ساتھیوں نے آپ کے حکم کی تکمیل کی اور دشمن کے لشکر کو پانی پلایا اور ان کے گھوڑوں کو اچھی طرح سیراب کردیا - کچھ دیر تک حر کے لشکر نے آرام کیا - اس کے بعد حضرت امام حسین رض نے اپنے مؤذن حجاج بن مسروق جعفی کو ظہر کی اذان دینے کا حکم دیا - چنانچہ اذان کہی گئی - حضرت امام حسین رض خیمے سے باہر نکلے اور حر کے دستے کے سامنے کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا :

" اے لوگو! میں تمہارے پاس خود سے نہیں آیا بلکہ میرے پاس تمہارے خطوط پہنچے اور تم نے اپنے قاصدوں کے ہاتھ کہلا کر بھیجا کہ ہمارا کوئی امام نہیں - شاید اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ ہمیں ہدایت اور حق پر مجتمع کردے - اب میں آگیا ہوں - اگر تم عہد و میثاق کر کے مجھے پورا اطمینان دلا دو تو میں تمہارے شہر چلوں لیکن اگر تم لوگ ایسا

نہیں کرتے بلکہ میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں لوٹ جاؤں گا۔''

یہ سن کر سب لوگ خاموش ہوگئے اور کسی نے ایک لفظ اپنے منہ سے نہ نکالا۔ آپ نے اقامت کا حکم دیا اور حر سے پوچھا:

''کیا آپ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھیں گے یا علیحدہ ؟''

حر نے جواب دیا ''سب اکٹھے ہی پڑھیں گے۔''

چنانچہ حر کے لشکر نے بھی حضرت امام حسین رض کے پیچھے نماز ادا کی۔ نماز کے بعد حضرت امام حسین رض اور آپ کے ساتھی اپنے خیموں کی طرف چلے آئے اور حر اور اسکا لشکر اپنے خیموں میں پہنچ گیا۔

جب عصر کا وقت آیا تو حضرت امام حسین رض کے مؤذن نے اذان کہی۔ حضرت امام حسین رض آگے بڑھے اور دونوں فریقوں کو نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد حسب ذیل تقریر کی :-

''اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور حق دار کا حق پہچانو' تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا موجب ہوگا۔ ہم اهل بیت خلافت کے ان دعویداروں کے مقابلے میں جنہیں خلافت پر کسی قسم کا حق حاصل نہیں اور جو ظلم اور زیادتی کے ساتھ تم پر حکومت کرتے ہیں' خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اگر تمہیں ہمارا آنا ناگوار ہے اور تم ہمارا حق نہیں پہچانتے اور تمہاری رائے اس رائے سے مختلف تھی جو ہمیں تمہارے خطوط اور تمہارے قاصدوں سے معلوم ہوئی تھی تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔''

حر بن یزید کھڑا ہؤا اور اس نے کہا ''یہ آپ خطوط اور قاصدوں کا کیا ذکر کر رہے ہیں؟ ہمیں ان کا کچھ علم نہیں۔''

حضرت امام حسین رض نے کوفیوں کے خطوط کے دو تھیلے منگا کر حر اور اس کے لشکر کے سامنے ڈال دئے۔

حر نے کہا: '' ہم نے یہ خط آپ کو نہیں لکھے تھے۔ ہمیں تو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک آپ کو ابن زیاد کے پاس کوفہ نہ پہنچا دیں۔''

حضرت امام حسین رض نے فرمایا: '' تمہاری موت اس سے زیادہ قریب ہے''۔ یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ تیار ہوجائیں اور حجاز کی جانب کوچ کردیں۔ حر نے مزاحمت کی۔ حضرت امام حسین رض نے فرمایا۔

'' تم آخر کیا چاہتے ہو؟''

حر نے جواب دیا ''میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کو عبیداللہ بن زیاد امیر کوفہ کے پاس لے جاؤں۔''

''حضرت امام حسین نے فرمایا یہ تو ناممکن ہے۔''

حر نے جواب دیا '' تو میں آپ کو چھوڑ بھی نہیں سکتا۔''

اس پر دونوں میں کچھ تند و تیز گفتگو ہونے لگی۔ آخر حر نے کہا:

'' مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ یہ حکم ملا ہے کہ آپ جہاں ملیں آپ کو حراست میں لے کر کوفہ پہنچا دوں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ کوئی ایسا راستہ اختیار کیجئے جو عراق اور حجاز دونوں کے درمیان ہو۔ نہ کوفہ پہنچائے اور نہ مدینہ واپس لے جائے۔ اس دوران میں

میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں ۔ آپ یزید کو لکھئے ۔ شاید میرے لئے عافیت کی کوئی صورت پیدا ہوجائے اور مجھے آپ کے معاملے میں آزمائش سے دوچار ہونا نہ پڑے ۔"

حضرت امام حسین رض نے اس تجویز کو قبول فرما لیا اور شمال کی طرف رخ کر کے نینویٰ کی طرف چل کھڑے ہوئے ۔ حر بھی آپ کے ساتھ ساتھ تھا ۔

راستہ میں بیضہ مقام پر آپ نے پھر ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا :

" اے لوگو ! رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے ظالم ، محرمات الٰہی کو حلال کرنے والے ، خدا تعالیٰ کے عہد کو توڑنے والے ، رسول اللہ صلعم کی سنت کی مخالفت کرنے والے اور خدا تعالیٰ کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور اس نے اپنے فعل یا قول کے ذریعہ غیرت کا اظہار نہ کیا تو خدا تعالیٰ کو حق ہے کہ اس کو اس بادشاہ کے ساتھ دوزخ میں داخل کرے ۔ لوگو ! خبردار ہوجاؤ ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کرلی ہے اور رحمان کی اطاعت ترک کردی ہے ۔ انہوں نے ملک میں فتنہ و فساد پھیلا دیا ہے اور حدود الٰہی کو معطل کردیا ہے ۔ مال غنیمت میں یہ لوگ اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں ۔ خدا تعالیٰ کی حرام شدہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام ۔ اس لئے مجھکو غیرت آنے کا زیادہ حق ہے ۔ میرے پاس تمہارے خطوط آئے اور تمہارے قاصد پہنچے کہ تم نے بیعت کرلی ہے ۔ اور تم مجھے بے یارو مددگار نہ چھوڑوگے ۔ پس اگر تم اپنی بیعت پوری کروگے تو راہ راست پر پہنچوگے ۔ میں حسین ابن علی رض اور ابن فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں ۔ میری جان

تمہاری جانوں کے برابر اور میرے اہل تمہارے اہل کے برابر ہیں - میری شخصیت تم لوگوں کے لئے نمونہ ہے اور اگر تم ایسا نہ کروگے اور اپنا عہد اور میری بیعت توڑوگے تو خدا کی قسم یہ بھی تمہاری ذات سے بعید اور تعجب انگیز فعل نہ ہوگا - تم اس سے پہلے میرے باپ ' میرے بھائی اور میرے ابن عم مسلم رضہ کے ساتھ ایسا ہی کرچکے ہو - وہ شخص فریب خوردہ ہے جو تمہارے دھوکے میں آگیا - تم نے اپنے فعل سے بہت برا نمونہ قائم کیا - جو شخص عہد توڑتا ہے وہ اپنا نقصان اپنے ہاتھ سے کرتا ہے - عنقریب خدا تعالیٰ مجھ کو تمہاری امداد سے بے نیاز کردیگا - والسلام''

حضرت امام حسین رضہ کی یہ تقریر سن کر حر نے کہا :

''میں آپ کو آپ کے نفس کے بارے میں خدا تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ نے جنگ کی تو آپ قتل کر دئے جائیں گے - ''

حضرت امام حسین رضہ نے فرمایا :

''کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو ؟ اور کیا تمہاری بدبختی یہاں تک پہنچ جائے گی کہ تم مجھے قتل کردوگے ؟ میں نہیں جانتا کہ تمہیں کیا جواب دوں - میں صرف وہی جواب دے سکتا ہوں جو اوس کے چچازاد بھائیوں نے اوس کو اس وقت دیا تھا جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کو جارہے تھے اور اوس نے انہیں کہا تھا تم کہاں جارہے ہو ؟ اگر تم رسول اللہ کی مدد کو نکلوگے تو قتل کر دئے جاؤگے - اس پر انہوں نے کہا تھا :

''میں عنقریب روانہ ہوجاؤں گا اور موت جوان مرد کے لئے عار نہیں جب کہ اس کی نیت ٹھیک ہو اور وہ اسلام کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو - اور جب کہ وہ اپنی جان دے

کر نیک لوگوں کا مددگار بنے اور ملعون اور مجرم سے علیحدگی اختیار کرے۔ اگر میں زندہ رہا تو میں نادم نہیں ہوں گا اور اگر مر گیا تو میرے لئے رنج کی کوئی بات نہیں۔ ہاں تیرے لئے ذلت ہی ذلت ہے خواہ تو نہایت عیش و آرام کی زندگی گزارے۔"

جب حر نے یہ تقریر سنی تو وہ علیحدہ ہو کر چلنے لگا جب لشکر عذیب الہجانات کے مقام پر پہنچے تو چار سوار کوفہ کی طرف سے آتے ہوئے دکھائی دئے۔ طرماح بن عدی ان کا رہبر تھا اور وہ یہ شعر پڑھ رہا تھا ؎

"اے میری اونٹنی تو طلوع فجر سے پہلے ہمت سے چل کھڑی ہو۔ سب سے اچھے مسافروں کو سب سے اچھے سفر پر لے چل، یہاں تک کہ شریف النسب شخص تک پہنچ جائے جو عزت والا ہے۔ آزاد ہے۔ فراخ سینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے سب سے اچھے کام کے لئے لایا ہے۔"

جب حضرت امام حسین رض نے یہ اشعار سنے تو آپ نے فرمایا "مجھے خدا تعالیٰ سے یہی امید ہے کہ وہ ہماری مدد فرمائے گا خواہ شہادت کے ذریعہ خواہ فتح یابی کے ذریعے۔"

جب حر بن یزید نے دیکھا کہ وہ سوار حضرت امام حسین رض کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں تو وہ آگے آیا اور اس نے کہا:

" یہ لوگ کوفہ سے آئے ہیں اور مجھے اختیار ہے کہ میں انہیں گرفتار کرلوں یا واپس لوٹا دوں۔"

حضرت امام حسین رض نے فرمایا:—

"میں ان کی حفاظت اپنی جان کی طرح کروں گا کیونکہ یہ میرے انصار ہیں اور انہی لوگوں کی طرح ہیں جو میرے ساتھ آئے ہیں۔ یا تو تم اپنے عہد و پیمان پر قائم رہو ورنہ میں تم سے جنگ کروں گا۔"

یہ سنکر حر پیچھے ہٹ گیا اور ان لوگوں سے کوئی تعرض نہ کیا ۔ حضرت امام حسین رضؓ نے ان سے فرمایا ”تم کوفہ کے لوگوں کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟“

اس استفسار پر ان میں سے ایک شخص مجمع بن عبیداللہ العامری نے عرض کیا کہ ”کوفہ کے معززین کو آپ کے خلاف بڑی بڑی رشوتیں دی گئی ہیں اور اُن کی ہتھیلیوں کو بھر دیا گیا ہے اس لئے وہ سب آپ کے خلاف متحد ہیں، البتہ عام لوگوں کے دل تو آپ ہی کی طرف مائل ہیں لیکن ان کی تلواریں کل آپ ہی کے مقابلے میں نکلیں گی“۔

آپ نے اُن سے اپنے قاصد قیس بن مسہر کا حال دریافت کیا۔ اُنھوں نے اس کی جرأت ایمانی اور قتل کی تمام تفصیلات بیان کردیں ۔ قیس کی شہادت کا حال سنکر آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور آپ نے یہ آیت پڑھی :

فمنهم من قضیٰ نحبه ومنهم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا

”ان میں سے بعض نے اپنے عہد پورے کردئے اور بعض انتظار کر رہے ہیں (کہ کب موقع ملے اور وہ بھی اپنی جانیں خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش کرسکیں) انہوں نے اپنے ایمان میں کوئی تبدیلی نہیں کی“۔

اور فرمایا :۔

”اے اللہ! ہمارے لئے اور اُن کے لئے جنت کی راہیں کھول دے ۔ اپنی رحمت کے سائے میں ہمیں اور انہیں جگہ دے اور اپنے ثواب کے ذخیرے میں سے حصہ وافر عطا فرما ۔“

طرماح بن عدی نے کہا :۔

”میں چاروں طرف نگاہ دوڑا رہا ہوں مگر مجھے آپ کے ساتھ ان چند آدمیوں کے علاوہ اور کوئی لشکر دکھائی نہیں دیتا ۔ اگر حر کے ساتھی جو آپ کے پیچھے لگے ہوئے

ھیں، آپ پر ٹوٹ پڑیں تو آپ کے لشکر کا خاتمہ ھوجائے۔ میں نے روانگئی کوفہ سے قبل لوگوں کا اتنا جم غفیر دیکھا ھے کہ آج تک کسی ایک میدان میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ سب لوگ آپ سے لڑنے کے لئے اکٹھے کئے گئے ھیں اس لئے میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر عرض کرتا ھوں کہ اگر ممکن ھو تو ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھئے۔ اگر آپ کسی ایسے مقام پر جانا چاھتے ھیں جہاں کے لوگ اس وقت تک آپ کی حفاظت کرتے رھیں جب تک کہ آپ کی کوئی صحیح رائے قائم نہ ھوجائے اور آپ کوئی قطعی فیصلہ نہ کرلیں تو ھمارے ساتھ ''آجا'' پہاڑ پر چلئے۔ اور وھاں قیام فرمائیے۔ اس پہاڑ کے ذریعہ ھم نے غسانی اور حمیری بادشاھوں نعمان بن منذر اور تمام ابیض اور احمر کو روکا ھے۔ جو شخص ھمارے وھاں آکر مقیم ھؤا وہ کبھی ذلیل نہیں ھؤا۔ آپ طے کے قبائل باجی و سلمہ کو اپنی مدد کے لئے بلائیے۔ دس دن کے اندر اندر بیس ھزار سوار اور پیدل آپ کے گرد جمع ھوجائیں گے۔ اور جب تک ان میں سے ایک ایک آپ پر نثار نہ ھوجائیگا دشمن آپ تک نہ پہنچ سکیگا''۔

حضرت امام حسین رض نے جواب دیا :۔

''خدا تعالیٰ تمہیں اور تمہاری قوم کو جزائے خیر دے۔ ھم میں اور ان لوگوں میں عہد ھوچکا ھے۔ اب ھم اس عہد سے پھر نہیں سکتے۔ ھمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ھمارا اور انکا معاملہ کس حد پر پہنچ کر ختم ھوگا اور کیا صورت اختیار کریگا''۔

آگے چل کر آپ قصر بنی مقاتل پہنچے۔ یہاں دونوں فریقوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ اس جگہ ایک خیمہ نصب تھا۔ آپ نے فرمایا ''یہ کس کا خیمہ ھے؟'' لوگوں نے معلوم کر کے بتایا کہ وہ خیمہ عبیداللہ بن حر جعفی کا ھے۔ آپ نے

فرمایا ”اسے ہمارے پاس لاؤ“۔ جب آپ کا آدمی عبیداللہ کے پاس پہنچا اور آپ کا پیغام اسے دیا تو اس نے کہا:

”میں کوفہ سے صرف اس لئے چلا آیا تھا کہ اپنی موجودگی میں وہاں حسین رض کا آنا پسند نہ کرتا تھا اب میں خود حسین رض کے پاس کس طرح جاسکتا ہوں؟“

یہ سن کر حضرت امام حسین رض خود اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے اپنے ساتھ ہونے کی دعوت دی۔ اس پر اس نے کہا:—

”خدا تعالیٰ کی قسم! میں یہ جانتا ہوں کہ جو شخص آپ کی متابعت اختیار کریگا اسکا شمار آخرت میں سعید لوگوں کے ساتھ ہوگا لیکن اگر میں آپ کی مدد کروں بھی تو آپ کی کامیابی کا یقین بہت کم ہے۔“

حضرت امام حسین رض نے فرمایا ”اگر تم ہماری مدد نہیں کرسکتے تو کم از کم یہ تو کر سکتے ہو کہ ہمارے خلاف لڑنے سے باز رہو“۔

اس نے کہا ”آپ یقین رکھیں کہ یہ ضرور ہوگا“

رات کے آخری حصے میں حضرت امام حسین رض نے اپنے قافلے کو کوچ کا حکم دیا اور قافلہ قصر بنی مقاتل سے چل کھڑا ہوا۔ فجر طلوع ہونے پر آپ نے قافلہ کو ٹھیرایا اور نماز ادا کی۔ نماز کے بعد سفر کا سلسلہ پھر جاری کردیا۔ اگر کبھی آپ کے قافلہ کا رخ صحرائے عرب کی جانب ہو جاتا تو حر بن یزید آپ کو روک دیتا اور رخ پھیر کر کوفہ کی جانب کردیتا۔ چلتے چلتے آپ نینویٰ پہنچے اور وہاں خیمہ زن ہوگئے۔ نینویٰ کے قیام کے دوران میں ایک دن ایک مسلح سوار کوفہ کی جانب سے آتا ہؤا دکھائی دیا۔ جب وہ قریب پہنچا تو اس نے حضرت امام حسین رض کی طرف سے منہ پھیرلیا مگر حر

کو سلام کیا اور اسے ابن زیاد کا ایک خط دیا اس میں لکھا تھا:

”جس وقت میرا یہ خط اور میرا قاصد تمہارے پاس پہنچے تو حسین رض اور اُن کے ساتھیوں کو جہاں وہ ہیں وہیں روک لو اور اُنہیں ایسی جگہ اُترنے پر مجبور کرو جو بالکل چٹیل میدان ہو اور جہاں کوئی سر سبزی اور پانی کا چشمہ وغیرہ نہ ہو۔ میرا یہ قاصد اُس وقت تک تمہارے ساتھ ساتھ رہے گا، یہاں تک کہ مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ جو حکم میں نے تمہیں دیا ہے تم نے اس کی حرف بحرف تعمیل کی ہے“۔

جب حر نے یہ خط پڑھا تو اُس نے حضرت امام حسین رض سے کہا کہ ابن زیاد نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ کو گھیر لوں اور کسی ایسی جگہ نہ اُترنے دوں جہاں کوئی سرسبزی اور پانی کا چشمہ ہو۔ اس نے اپنے قاصد کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ اس وقت تک میرے لشکر کے ساتھ ساتھ رہے جب تک کہ میں اس کے احکام کی تعمیل نہ کر لوں۔ اس لئے اب میں آپ کو اس جگہ نہ رہنے دوں گا۔

آپ نے فرمایا ” ہمیں چھوڑ دو ۔ ہم اپنی مرضی سے نینویٰ یا کسی اور جگہ پر خیمہ زن ہونگے“۔

حر نے جواب دیا ” میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ آدمی ہم پر بطور جاسوس مقرر کیا گیا ہے“۔

اس پر زہیر بن قین نے حضرت امام حسین رض سے عرض کیا ” آئندہ جو واقعات پیش آئیں گے وہ موجودہ واقعات سے بہت زیادہ سخت ہونگے ۔ اے ابن رسول اللہ ص! ان لوگوں سے لڑنا جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں ان عظیم الشان لشکروں سے لڑنے کے مقابلے میں کہیں زیادہ آسان ہے جو بعد میں آئیں گے ۔ میری جان کی قسم ، جو لشکر

بعد میں آئیں گے ہم ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے - اس لئے آئیے ہم حر کے لشکر سے مقابلہ کریں "۔

حضرت امام حسین رض نے فرمایا "میں اپنی طرف سے لڑائی میں پہل نہ کروں گا "۔

اس پر زهیر نے کہا " اچھا اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو کم از کم یہ کریں کہ سامنے والے گاؤں میں اتر پڑیں وہ گاؤں بھی مضبوط و مستحکم ہے اور دریائے فرات کے کنارے واقع ہے۔ اگر ان لوگوں نے مزاحمت کی تو ہم ان سے لڑینگے "۔

حضرت امام حسین رض نے فرمایا "اس گاؤں کا کیا نام ہے ؟"

معلوم ہؤا "عقر" (جس کے معنی ذبح کرنے کے ہیں) آپ نے فرمایا :

" اے اللہ ! میں تجھ سے عقر کی پناہ مانگتا ہوں "۔

چنانچہ یہاں سے بھی قافلہ چل پڑا - حر بھی ساتھ ساتھ تھا - تھوڑی دور آگے جاکر فرات کے قریب کربلا کے مقام پر پہنچے - اس وقت حر آگے بڑھا اور کہنے لگا "اب میں آپ کو آگے نہ بڑھنے دونگا آپ یہیں ٹھہر جائیے " اس پر مجبور ہو کر ۲- محرم ۶۱ ھ (مطابق ۲- اکتوبر ۶۸۰ء) کو آپکا قافلہ کربلا کے میدان میں خیمہ زن ہو گیا -

میدان کربلا میں خیمہ زن ہونے کے دوسرے روز کوفہ سے عمر بن سعد رض بن ابی وقاص چار ہزار سپاہ لے کر جسے ابن زیاد نے حضرت امام حسین رض سے لڑنے کے لئے بھیجا تھا ، آپہنچا - ابن زیاد نے عمر بن سعد کو رے کا حاکم مقرر کر کے دیالمہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا تھا - وہ حمام اعین تک پہنچ چکا تھا کہ ابن زیاد نے اسے واپس بلا لیا اور حکم دیا کہ پہلے امام حسین رض سے لڑنے کے لئے جاؤ - عمر بن سعد آپ سے لڑنا نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے کچھ پس و پیش

کیا - اس پر ابن زیاد نے اس سے کہا کہ اگر تم حسینؓ سے لڑنے کے لئے نہیں جاؤ گے تو تمہاری ولایت بھی چھین لی جائے گی - آخر قدرے تامل کے بعد وہ راضی ہو گیا اور چار ہزار فوج لے کر جسے ابن زیاد نے اسی غرض کے لئے تیار کیا ہوا تھا، کربلا پہنچ گیا - وہاں پہنچ کر اس نے عروہ بن قیس الاحمسی کو حکم دیا کہ وہ امام حسینؓ کے پاس جائے اور ان سے پوچھے کہ وہ کس غرض کے لئے یہاں آئے ہیں - عروہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے آپ کو کوفہ بلانے کے لئے خطوط لکھے تھے اس لئے اب اس کو یہ سوال پوچھنے کے لئے آپ کے پاس جاتے ہوئے بڑی شرم محسوس ہوئی - اور اس نے یہ خدمت بجا لانے سے انکار کر دیا - اس کے انکار کے بعد دوسرے لوگوں کے سپرد یہ کام کیا گیا لیکن ان میں سے ہر شخص امام حسینؓ کے بلانے والوں میں شامل تھا اس لئے کوئی شخص بھی آپ کے پاس جانے کے لئے آمادہ نہ ہؤا - آخر کار عمر بن سعد نے قرہ بن سفیان حنظلی کو آپ کے پاس بھیجنے کے لئے تیار کر لیا - اور اس سے کہا کہ تم ان سے صرف یہ پوچھنا کہ آپ کی غرض یہاں آنے سے کیا ہے ؟"۔

چنانچہ قرہ بن سفیان حضرت امام حسینؓ کے پاس آیا اور یہی سوال کیا - آپ نے فرمایا "تمہارے شہر والوں نے مجھے پے در پے خطوط لکھ کر بلایا - اب اگر تمہیں میرا آنا ناپسند ہے تو میں واپس مکہ چلا جاتا ہوں"۔

جب عمر بن سعد کو حضرت امام حسینؓ کا یہ جواب ملا تو اس نے اطمینان کا اظہار کیا اور کہا "مجھے امید ہے کہ اب خدا تعالیٰ مجھے حسینؓ کے ساتھ جنگ کرنے سے

بچائے گا"۔ اس نے حضرت امام حسینؓ کے جواب سے ابن زیاد کو اطلاع دے دی ۔ ابن زیاد نے عمر بن سعد کا خط پڑھ کر کہا :

"اب جب وہ ہمارے چنگل میں آپھنسا ہے تو اب بچ کر نکل جانا چاہتا ہے ۔ لیکن اب نکل بھاگنے کا وقت نہیں "۔

یہ کہکر اس نے ابن سعد کو جواب لکھا ۔ " تمہارا خط ملا ۔ تم نے جو کچھ تحریر کیا ہے میں اسے اچھی طرح سمجھ گیا ہوں ۔ تم حسینؓ اور ان کے تمام ساتھیوں سے یزید کی بیعت لو ۔ اگر وہ بیعت کرلیں تو پھر ہم دیکھیں گے کہ کیا کرنا چاہئے ۔ حسینؓ اور ان کے تمام ساتھیوں پر پانی بھی بند کر دو ۔ جس طرح امیرالمومنین حضرت عثمانؓ بن عفان پر بند کیا گیا تھا "۔

چنانچہ عمر بن سعد نے سات محرم کو پانچ سو سوار دریائے فرات پر بھیج دئے اور انہیں تاکید کردی کہ امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں تک پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچنے پائے ۔ عبداللہ بن ابی الحصین ازدی نے حضرت امام حسینؓ سے پکار کر کہا " اے حسین ! تم پانی کو دیکھتے ہو ؟ خدا تعالیٰ کی قسم تم کو ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا ۔ تم اسی طرح پیاسے مرو گے "۔

جب حضرت امام حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں پر پیاس کا غلبہ ہؤا تو آپ نے اپنے سوتیلے بھائی عباس بن علیؓ کو پانی لانے کے لئے بھیجا ۔ وہ بیس پیدل اور تیس سوار لے کر دریائے فرات پر پہنچے ۔ عمر بن سعد کے دستے نے انہیں روکنا چاہا لیکن وہ مقابلہ کرتے ہوئے کنارے تک پہنچ گئے اور مشکیں بھر کر واپس آگئے ۔

اس کے بعد حضرت امام حسینؓ نے عمرو بن قرظہ بن کعب انصاری کے ہاتھ عمر بن سعد کو کہلا بھیجا کہ آج رات تم مجھے تنہائی میں آکر ملو۔ چنانچہ عمر اور حضرت امام حسینؓ رات کے وقت اپنے اپنے خیموں سے نکلے اور دونوں لشکروں کے درمیان ایک مقام پر دونوں کی خفیہ بات چیت ہوئی، جو کافی دیر تک جاری رہی۔ بہت رات گئے وہ دونوں اٹھے اور اپنے اپنے لشکر میں واپس آگئے۔ لیکن کسی شخص کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کیا گفتگو ہوئی۔

عقبہ بن سمعان کہتے ہیں کہ میں حضرت امام حسینؓ کے ساتھ مدینہ سے مکہ تک اور مکہ سے عراق تک رہا اور آپ کی شہادت کے دن تک آپ سے علیحدہ نہ ہؤا۔ شہادت کے وقت تک آپ نے جو تقریریں کیں وہ بھی میں نے سنیں ان میں آپ یہی فرماتے تھے:

"مجھے چھوڑ دو کہ میں جس جگہ سے آیا ہوں اسی جگہ واپس چلا جاؤں یا مجھے کسی اور جگہ جانے دو۔ خدا تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے، میں کہیں نکل جاؤں گا جب تک لوگ کوئی فیصلہ نہ کرلیں"۔

اس ملاقات کے بعد حضرت امام حسینؓ اور عمرو بن سعد تین چار بار اور ملے۔ آخر عمر نے ابن زیاد کو یہ خط لکھا:

"خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے فتنہ ٹھنڈا کر دیا، پھوٹ دور کردی، اور اتفاق پیدا کردیا"۔ حسینؓ نے مجھ سے ان تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ (۱) وہ جہاں سے آئے ہیں وہیں چلے جائیں گے۔ یا (۲) مسلمانوں کی کسی ایسی سرحد پر جہاں ہم چاہیں، چلے جائیں

گے - یا (۳) یزید کے پاس جاکر خود اس سے اپنا معاملہ طے کرلیں گے - امید ہے کہ آپ ان تجویزوں کو پسند کریں گے کیونکہ ان میں امت کے لئے بھلائی ہے "۔

جب ابن زیاد نے یہ خط پڑھا تو وہ متاثر ہوگیا اور اس نے کہا "یہ خط ایک ایسے آدمی کا ہے ، جو اپنے امیر کا خیرخواہ اور اپنی قوم پر مہربان ہے - میں ان تجاویز کو قبول کرتا ہوں "۔

اس پر شمر بن ذی الجوشن کھڑا ہؤا اور اس نے کہا :-
"کیا آپ ان تجاویز کو قبول کر لیں گے جبکہ حسینرضؓ آپ کے قبضے میں آچکے ہیں ؟ خدا تعالیٰ کی قسم اگر حسینرضؓ ہاتھ سے نکل گئے اور انہوں نے آپ کی اطاعت قبول نہ کی تو وہ آگے چل کر ضرور قوت و شوکت حاصل کر لیں گے - اور آپ کمزور اور عاجز ہو جائیں گے - اس لئے آپ انہیں یہ قدر و منزلت حاصل کرنے کا موقع نہ دیں - انہیں حکم دیں کہ وہ اور ان کے ساتھی اپنے آپ کو آپ کے حوالے کردیں - اس صورت میں اگر آپ انہیں سزا دیں گے تو سزا دینا آپ کا حق ہوگا اور اگر معاف کر دیں گے تو اس کا بھی آپ کو اختیار ہوگا - مجھے معلوم ہؤا ہے کہ حسینرضؓ اور عمر رات بھر دونوں لشکروں کے درمیان باہم سرگوشیاں کرتے رہتے ہیں "۔

ابن زیاد نے کہا : "تم نے مجھے ٹھیک رائے دی ہے - تم یہ خط لے کر عمر کے پاس چلے جاؤ اور حسینرضؓ اور ان کے ساتھیوں سے کہو کہ وہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردیں - اگر وہ اس پر رضامند ہو جائیں تو انہیں حفاظت کے ساتھ میرے پاس بھیج دو ، اور اگر انکار کریں تو ان سے لڑو -

اگر عمر میرے احکام بجا لانے کے لئے تیار ہو تو تم بھی اس کی اطاعت کرو لیکن اگر انکار کردے تو اسے ہٹا کر فوج کی قیادت خود اپنے ہاتھ میں لے لینا اور اس کی گردن مار کر اس کا سر میرے پاس بھیج دینا''۔

ابن سعد کے نام ابن زیاد نے جو خط بھیجا تھا وہ یہ تھا :

''میں نے تم کو اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم حسین رض کو ڈھیل دیتے جاؤ اور ان کے متعلق سفارشیں بھیجتے چلے جاؤ ۔ تم حسین رض اور ان کے ساتھیوں سے بلا شرط ہتھیار ڈالنے کے لئے کہو ۔ اگر وہ مان جائیں تو ان سب کو میرے پاس حفاظت اور سلامتی سے بھیج دو اور اگر انکار کریں تو ان پر فوراً حملہ کردو ۔ اور ان کو قتل کرکے ان کا مثلہ کرو کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں ۔ حسین رض کے قتل کے بعد ان کی لاش گھوڑوں سے روند ڈالنا کیونکہ وہ باغی ہیں ۔ جماعت میں تفرقہ ڈلوانے والے ہیں' ظالم ہیں ۔ اگر تم نے ہمارے احکام کی تعمیل کی تو ہم تمہیں بیش قرار انعامات سے نوازیں گے اور اگر یہ کام تم سے نہ ہو سکے تو فوج کو شمر بن ذی الجوشن کے حوالے کر کے تم الگ ہو جاؤ ۔ والسلام''۔

جب شمر نے ابن زیاد کا خط عمر بن سعد کو لا کر دیا تو اس نے اسے پڑھ کر کہا ''تمہارا برا ہو اور جو چیز تم میرے پاس لائے ہو اس کا بھی برا ہو ! خدا تعالیٰ کی قسم ! معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ میں نے ابن زیاد کو لکھا تھا تم نے ہی اسے اس کے قبول کرنے سے روکا ہے ۔ ہمیں صلح کی امید تھی لیکن تم نے ہمارا کام بگاڑ دیا ۔ خدا تعالیٰ کی قسم ! حسین رض کبھی بھی ہماری اطاعت اور فرمانبرداری قبول نہیں کریں گے کیونکہ ان کے پہلو میں ایک خود دار دل ہے''۔

شمر نے یہ سن کر کہا ”جو کچھ تمہیں کرنا ہے وہ مجھے بتادو - کیا تم امیر کے حکم کی اطاعت کروگے اور دشمن سے لڑوگے یا نہیں ؟ اگر تمہارا لڑنے کا ارادہ نہیں ہے تو فوج میرے حوالے کردو“۔

اب عمر بن سعد مجبور ہوگیا اور اس نے کہا ”نہیں، میں امیر کے حکم کی تعمیل میں ان لوگوں سے جنگ کروں گا۔ تم پیدل فوج کی نگرانی کرو“۔

ابن سعد نے ۹ محرم کی شام کو جنگ کی تیاریاں شروع کردیں - شمر کی پھوپھی ام‌البنین بنت خرام حضرت علیؓ کی زوجہ تھیں اور ان کے بطن سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے تھے - شمر نے ابن زیاد سے کہہ کر ان کے لئے امان حاصل کر لی تھی - لڑائی شروع ہونے سے پہلے اس نے ان چاروں صاحبزادوں کو بلایا اور کہا کہ میں نے ابن زیاد سے تمہارے لئے امان حاصل کرلی ہے۔ انہوں نے جواب دیا :

” اللہ تعالیٰ تم پر اور تمہاری امان پر لعنت کرے ! تم ہمیں تو امان دیتے ہو لیکن ابن رسول‌اللہ‌ؐ کے لئے امان نہیں ؟ جاؤ ہمیں تمہاری امان کی حاجت نہیں“ -

۹ محرم کو ہی ابن سعد چند لوگوں کو ساتھ لےکر حضرت امام حسینؓ کے خیموں کی طرف آیا - حضرت امام حسینؓ نے تلوار حائل کی ہوئی تھی اور اپنے گھٹنوں پر اپنا سر رکھے ہوئے سو رہے تھے - آپ کی بہن زینب نے شور سن کر آپ کو جگایا - آپ کے بھائی عباس نے آکر کہا کہ ابن سعد آیا ہے اور آپ سے ملنے کا خواہشمند ہے - آپ نے باہر جانے کا ارادہ کیا ، لیکن عباس نے کہا آپ یہیں ٹھیرئے، میں خود

جا کر اس سے بات چیت کرتا ہوں - چنانچہ وہ بیس سواروں کے ساتھ جن میں زہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر شامل تھے ، ابن سعد کے پاس آئے اور آنے کا مقصد پوچھا - ابن سعد کے ساتھیوں نے جواب دیا " امیر اس لئے آئے ہیں کہ یا تو آپ بلا شرط ہتھیار ڈال دیں ورنہ مقابلے کے لئے تیار ہوجائیں "۔

عباس نے جواب دیا "اچھا، ذرا ٹھہرو - میں ابو عبداللہ (حضرت امام حسین رض) کے پاس جاتا ہوں اور انہیں تمہاری آمد کی غرض سے آگاہ کرتا ہوں "۔

چنانچہ وہ حضرت امام حسین رض کو اس الٹی میٹم سے آگاہ کرنے ان کے خیمے میں گئے - آپ کے ساتھی ابن سعد کے سواروں سے باتیں کرتے اور انہیں خدا کا خوف دلاتے رہے -

جب عباس نے حضرت حسین رض کو ابن سعد کا پیغام دیا تو آپ نے فرمایا : -

"ان کے پاس جاؤ اور اگر ممکن ہو سکے تو انہیں کل تک کے لئے ٹال دو تاکہ ہم اس رات اپنے رب کی عبادت کرلیں - دعائیں مانگ لیں اور توبہ استغفار کرلیں - خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ مجھے نماز پڑھنے ' قرآن کریم کی تلاوت کرنے اور کثرت سے دعا اور استغفار کرنے کا کس قدر شوق ہے "۔

حضرت عباس رض ابن سعد کے پاس گئے اور اس سے کہا " تم فی الحال لوٹ جاؤ - ہم رات کو تمہارے مطالبے پر غور کریں گے اور صبح کو قطعی جواب دے دیں گے - اگر مطالبہ ماننا ہوگا، مان لیں گے ، اگر مسترد کرنا ہوگا ، مسترد کر دیں گے "۔

ابن سعد نے شمر سے پوچھا " تمہاری کیا رائے ہے "؟

اس نے جواب دیا "آپ امیر ہیں ، جو مناسب سمجھیں کریں "۔

ابن سعد نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے رائے لی کہ کیا کرنا چاہئے ۔ عمرو بن حجاج زبیدی نے کہا ''سبحان اللہ ! یہ تو اہل بیت ہیں ۔ اگر دیلمی بھی جن کی سرکوبی کے لئے آپ کو بھیجا جا رہا تھا آپ سے یہ درخواست کرتے تو آپ کو قبول کرنا چاہئے''۔

قیس بن اشعث بن قیس نے کہا ''آپ ان کو مہلت دے دیجئے ۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ یہ لوگ ہتھیار کسی صورت میں بھی نہیں ڈالیں گے اور آپ سے مقابلہ کے لئے میدان میں نکل آئیں گے'' ۔

اپنے ساتھیوں سے رائے لینے کے بعد ابن سعد نے عباس کی جانب رخ کیا اور کہا ''ہم نے تمہاری درخواست پر تمہیں کل تک کے لئے مہلت دے دی ہے'' ۔ یہ کہہ کر وہ اپنے لشکر میں واپس چلا آیا ۔

ابن سعد کے واپس جانے کے بعد حضرت امام حسینؓ نے اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کیا اور حسب ذیل خطبہ دیا :۔

''میں خدا تعالیٰ کی حمد و ستائش کرتا ہوں اور مصیبت و راحت ' ہر حال میں اس کا شکر گزار ہوں ۔ اے اللہ ! میں تیری ستائش کرتا ہوں کہ تو نے ہمارے خاندان کو نبوت کی نعمت سے سرفراز کیا ۔ ہمیں کان دئے تاکہ ہم تیری باتیں سن سکیں ۔ آنکھیں دیں تاکہ تیرے انعامات کو ملاحظہ کر سکیں اور دل دیا تاکہ ہم غور و فکر سے کام لے سکیں ' تو نے ہمیں قرآن کا علم دیا اور ہمیں دین کی فراست عطا کی ۔ اب تو ہمیں اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرما ۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار اور نیک ساتھی کہیں نہیں دیکھے ۔ اور اپنے اہل بیت سے زیادہ نیکوکار اور صلہ رحمی کرنے

والے رشتہ دار کہیں نہیں پائے۔ اللہ تعالیٰ تم سب کو جزائے خیر دے۔ تم نے ہم سے نیکی کی اور ہماری مدد کی' کل کا دن میرے اور دشمنوں کے درمیان آخری فیصلے کا ہے' انہیں صرف میری ضرورت ہے۔ اس لئے میں تم کو بخوشی واپسی کی اجازت دیتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ رات ہو چکی ہے' میرے اہل بیت کا ہاتھ پکڑو اور تاریکی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اِدھر اُدھر چلے جاؤ۔ اور اپنی جانوں کو ہلاکت سے بچاؤ''۔

یہ سن کر آپ کے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور تمام عزیزوں، ساتھیوں نے یک زبان ہو کر کہا ''ہم آپ کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے! خدا ہمیں اس دن کے لئے باقی نہ رکھے''! سب سے پہلے بنو عقیل نے کہا :—

''معاذ اللہ! اگر ہم آپ کو چھوڑ کر چلے گئے تو ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟ کیا ہم انہیں یہ کہیں گے کہ ہم اپنے سردار، اپنے آقا اور اپنے عم زادہ کو چھوڑ کر چلے آئے۔ ہم نے اُن کے لئے ایک تیر بھی نہ چلایا' ان کے لئے ایک نیزہ بھی نہ مارا' ان کے لئے تلوار کا ایک وار بھی نہ کیا۔ اور ہمیں معلوم نہیں کہ ان کے ساتھ کیا بیتی۔ خدا تعالیٰ کی قسم! ہم ہرگز ایسا نہیں کرینگے۔ ہم اپنی جانیں' اموال اور اہل و عیال سب آپ پر قربان کر دیں گے۔ آپ کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے لڑیں گے۔ جو انجام آپ کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا۔ خدا تعالیٰ آپ کے بعد ہمیں زندہ نہ رکھے''!

مسلم بن عوسجہ نے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی :—

''کیا ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں اور خدا تعالیٰ

کے سامنے آپ کے حقوق کی ادائیگی کا عذر نہ کریں ؟ خدا تعالیٰ کی قسم ! میں اس وقت تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا جب تک دشمنوں کے سینوں میں اپنا نیزہ نہ توڑ ڈالوں اور اس وقت تک جب تک کہ تلوار میرے ہاتھ میں صحیح و سالم رہے ، اسے چلا نہ لوں ۔ اگر میرے تمام ہتھیار ٹوٹ بھی جائیں گے تو میں ان پر پتھر پھینکنا شروع کر دونگا یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کردے ''۔

آپ کے باقی ساتھیوں نے بھی اٹھ اٹھ کر اپنی جان نثاری اور عقیدت کا اظہار کیا ۔ حضرت امام حسینؓ اپنے ساتھیوں کے اس جذبۂ عقیدت سے بے حد متاثر ہوئے اور آپ نے جنگ کی تیاری کرنے کا حکم دیدیا ۔

آپ کے صاحبزادے زین العابدین علی بن حسینؓ روایت کرتے ہیں کہ '' اس رات جس کی صبح کو میرے والد شہید ہوئے ، میں بیمار تھا اور میری پھوپھی زینب میری تیمارداری کررہی تھیں ۔ خیمہ میں ابوذر غفاریؓ کے غلام جوین آپ کی تلوار صاف کررہے تھے اور میرے والد یہ شعر پڑھ رہے تھے ۔

'' اے زمانہ ! تجھ پر افسوس ! تو کیسا بے وفا دوست ہے ۔ صبح اور شام تیرے ہاتوں کتنے لوگ مارے جاتے ہیں ! زمانہ کسی کی رعایت نہیں کرتا اور کسی سے کوئی عوض قبول نہیں کرتا ۔ اب سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور ہر زندہ موت کی راہ پر چلا جا رہا ہے ''۔

ان اشعار کو آپ نے دو تین بار دھرایا ۔ میں سمجھ گیا کہ یہ پڑھنے سے آپ کا کیا مقصد ہے تاہم میں خاموش رہا ۔ لیکن میری پھوپھی زینب یہ اشعار سن کر اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکیں وہ دوڑتی ہوئی آپ کے پاس آئیں اور آپ سے لپٹ کر کہنے لگیں :

”کاش ! آج موت میری زندگی کا خاتمہ کر دیتی - میری والدہ فاطمہ مجھے چھوڑ کر چل دیں ، میرے والد علیؓ دنیا سے رخصت ہو گئے ، میرے بھائی حسنؓ باقی نہ رہے - ان گزرے ہوؤں کے جانشین اور ہم لوگوں کے محافظ اب ایک تم ہی رہ گئے ہو“ -

حضرت امام حسینؓ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا :

”اے بہن ! اپنے حلم اور وقار کو شیطان کے حوالے نہ کرو“-

پھوپھی نے کہا ”کیا آپ اپنے آپ کو مجھ سے الگ الگ رکھنا چاہتے ہیں ؟ خدا کی قسم اس بات سے میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں“- یہ کہہ کر وہ بیہوش ہو کر گر پڑیں -

میرے والد نے ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے دئے جب انہیں ہوش آیا تو فرمایا :-

”بہن ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو - اور خدا تعالیٰ سے تسکین حاصل کرو - اچھی طرح جان لو کہ تمام اہل زمین مر جائیں گے اور آسمان والوں میں سے بھی کوئی باقی نہ رہیگا - سوائے خدا تعالیٰ کے ہر چیز فنا ہونے والی ہے - میرے والد مجھ سے بہتر تھے - میری والدہ مجھ سے بہتر تھیں - میرے بھائی مجھ سے بہتر تھے - میرے اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نمونہ ہے - تم اسی نمونہ سے صبر حاصل کرو“ -

آپ اسی طرح کی باتیں کرتے رہے پھر فرمایا :-

”اے میری بہن ! میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ جب میں مر جاؤں تو گریبان چاک نہ کرنا ‘ اپنا چہرہ نہ نوچنا اور آہ و بکا نہ کرنا“-

یہ کہہ کر آپ باہر آئے اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے منتشر خیموں کو یکجا کرلیں اور صبح کو دشمن کا مقابلہ اس طرح کریں کہ اُن کے خیمے اُن کے دائیں بائیں اور پیچھے ہوں تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔ یہ ھدایت دے کر آپ اپنے خیمے میں تشریف لے آئے اور تمام رات نماز پڑھنے اور دعا و استغفار کرنے میں گذاری۔ آپ کے ساتھی بھی تمام رات خدا کے حضور میں کھڑے رہے اور استغفار کرتے رہے، دشمنوں کے گھوڑے برابر خیموں کے گرد چکر لگاتے رہے تاکہ کوئی شخص بچ کر نہ نکل سکے۔

کرب و بلاء

۱۰ محرم کی صبح خون آلود اُفق کے ساتھ نمودار ہوئی ۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت امام حسین رض نے اپنے ساتھیوں کی صف بندی کی ۔ آپ کے ساتھ صرف بتیس سوار اور چالیس پیادے تھے ۔ میمنہ پر آپ نے زہیر بن قین کو مقرر کیا اور میسرہ پر حبیب بن مظاہر کو ۔ جھنڈا اپنے بھائی عباس کو دیا ۔ فوج کی ترتیب اس طرح تھی کہ خیمے پشت پر تھے ۔ پشت کو اور زیادہ محفوظ بنانے کے لئے آپ نے حکم دیا کہ پچھلی طرف چند گڑھوں میں جو خندق کے مشابہ تھے ، آگ جلا دی جائے تاکہ دشمن پچھلی طرف سے حملہ آور نہ ہو سکے ۔

عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو یوں ترتیب دیا تھا کہ میمنہ پر عمر و بن حجاج زبیدی کو ، میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن کو ، سواروں پر عروہ بن قیس الاحشمی کو اور پیادوں پر شبث بن ربعی کو مقرر کیا تھا ۔ جھنڈا اپنے غلام درید کو دیا تھا ۔

لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت امام حسین رض دشمن کے لشکر سے مخاطب ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد یہ تقریر فرمائی :-

"اے لوگو! جلدی نہ کرو ۔ پہلے میری بات سن لو اور مجھ پر تمہیں سمجھانے کا جو حق ہے اسے پورا کرلینے دو اور میرے آنے کی وجہ بھی سن لو ۔ اگر تم میرا عذر قبول کرلوگے اور میرے ساتھ انصاف کروگے تو تم انتہائی خوش

بخت انسان ہوگے - لیکن اگر تم اس کے لئے تیار نہ ہوئے تو تمہاری مرضی - تم اور تمہارے شریک سب مل کر میرے خلاف اپنا زور لگا لو اور میرے ساتھ جو کرنا چاہتے ہو کرڈالو - اللہ میرا کارساز ہے اور وہی اپنے نیک بندوں کی مدد کرتا ہے"۔

جب آپ کی بہنوں اور بیٹیوں نے یہ تقریر سنی تو شدت رنج کی وجہ سے ان کی چیخیں نکل گئیں ، جب آپ نے اُن کے رونے کی وازیں سنیں تو اپنے بھائی عباس کو اُنہیں چپ کرانے کے لئے بھیجا اور دل ہی دل میں یہ کہا "میری عمر کی قسم ! ابھی ان کو بہت رونا ہے"!

جب آپ کی بہنیں اور بیٹیاں خاموش ہوگئیں تو آپ نے اپنی تقریر پھر شروع کی :

"لوگو! تم میرے حسب ونسب پر غور کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں - پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے آپ کو ملامت کرو - تم خیال کرو کیا تمہارے لئے میرا قتل اور میری ہتک زیب دیتی ہے - کیا میں تمہارے نبیؐ کا نواسا اور اُن کے چچازاد بھائی کا بیٹا نہیں ہوں؟ جنہوں نے سب سے پہلے خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے - کیا سیدالشہداء حمزہ رضؓ میرے والد کے چچا نہیں تھے ؟ کیا جعفر طیار رضؓ میرے چچا نہیں تھے ؟ کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول یاد نہیں جو انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ دونوں جوانان جنت کے سردار ہوں گے ؟ اگر میرا یہ بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے کیونکہ جب سے مجھے یہ معلوم ہؤا ہے کہ جھوٹ بولنے والے پر خدا تعالیٰ

ناراض ہوتا ہے اس وقت سے لے کر آج تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا - تو بتلاؤ کیا تمہیں ننگی تلواروں سے میرا مقابلہ کرنا چاہئے؟ اور اگر تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو آج بھی تم میں وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے میرے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنی ہے - تم ان سے دریافت کرسکتے ہو - تم مجھے بتاؤ کہ کیا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اس حدیث کی موجودگی میں بھی تم میرا خون بہانے سے باز نہیں رہ سکتے؟ ''

حضرت امام حسین رض کے بعض ساتھیوں نے بھی اسی قسم کی تقریریں کیں لیکن شمر بن ذی الجوشن اور اسی قماش کے اور لوگوں نے حضرت امام رض سے لڑنے کا فیصلہ کر ہی لیا - انہوں نے حضرت امام حسین رض کی یہ پیش کش بھی رد کردی کہ تم مجھے یزید کے پاس دمشق لے چلو، میں خود اس سے اپنا معاملہ طے کرلوں گا - کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یزید حضرت امام حسین رض کا ضرور پاس کریگا اور آپ کے بلند مرتبے کی وجہ سے آپ کی تعظیم وتکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریگا - انہوں نے سمجھا کہ رسول اللہ ص کے نواسے کو زیر کرنے کا یہ موقع دوبارہ ہاتھ نہیں آئیگا - اس لئے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اس موقع کو ہاتھ سے نہ کھونا چاہئے -

مخالفین کے لشکر میں اس وقت صرف ایک شخص تھا جس کے دل پر حضرت امام حسین رض کی باتوں سے چوٹ لگی، وہ تھا حر بن یزید - یہی شخص تھا جس نے سب سے پہلے حضرت امام حسین رض اور آپ کی جماعت کو مکہ واپس جانے سے روکا تھا اور کربلاء کے میدان میں محصور کردیا تھا - وہ سالار لشکر عمر بن سعد کے پاس آیا اور اس سے کہا :-

"خدا تمہیں ھدایت دے ۔ کیا تم اس انسان سے لڑو گے ؟"

ابن سعد نے جواب دیا "ھاں واللہ ضرور لڑونگا اور ایسی لڑائی کہ جس میں کم از کم سر کٹیں گے اور ھاتھ شانوں سے الگ ھوجائیں گے"۔

حر نے کہا : "کیا ان شرطوں میں سے جو انہوں نے تمہارے سامنے پیش کی ھیں ، ایک بھی اس قابل نہیں کہ اسے قبول کیا جائے"۔

عمر بن سعد نے جواب دیا : "خدا کی قسم اگر میرے اختیار میں ھوتا تو میں انہیں ضرور منظور کرلیتا مگر کیا کروں تمہارے امیر نے انہیں منظور کرنے سے انکار کردیا ھے"۔

یہ جواب سن کر حر نے آھستہ آھستہ امام حسینؓ کی جانب بڑھنا شروع کیا ۔ اس کے قبیلہ کے ایک شخص مہاجر بن اوس نے کہا "کیا تم حسینؓ پر حملہ کرنا چاھتے ھو؟" حر خاموش رھا ۔ مہاجر کو شک گزرا اور اس نے حر سے کہا " خدا کی قسم تمہاری خاموشی انتہائی مشتبہ ھے ۔ میں نے کبھی کسی جنگ میں تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی جیسی آج دیکھ رھا ھوں ۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوفے میں سب سے شجاع شخص کون ھے تو میں بلاتامل تمہارا نام لے دوں گا لیکن تم آج یہ کیا کررھے ھو؟"

حر نے جواب دیا "میں جنت اور دوزخ کا انتخاب کررھا ھوں ۔ اب میں نے جنت کا انتخاب کرلیا ھے خواہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کردیا جائے یا جلادیا جائے"۔

یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور حضرت امام حسینؓ کے لشکر میں پہنچ گیا ۔ وھاں پہنچ کر آپ سے عرض کیا :—

''اے ابن رسول اللہ! خدا تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے! میں ہی وہ بدنصیب شخص ہوں جس نے آپ کو واپس جانے سے روک کر اس جگہ محصور کردیا۔ خدا کی قسم مجھے یہ خیال ہرگز نہ تھا کہ یہ قوم آپ کی پیش کردہ شرطوں کو رد کر کے آپ کے ساتھ یہ سلوک کرے گی۔ اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ یہ لوگ اس حد تک بڑھ جائیں گے تو میں کبھی اس عظیم گناہ کا مرتکب نہ ہوتا۔ اب میں خدا تعالیٰ کے حضور تائب ہونے کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں اور میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ اس وقت تک آپ کی حفاظت کے لئے دشمنوں سے لڑوں گا جب تک میرا ایک ایک عضو اس راہ میں نہ کٹ جائے اور میں اپنے رب کے حضور حاضر نہ ہو جاؤں۔ کیا اس طرح میری توبہ قبول ہو جائے گی؟''

حضرت امام حسین رض نے فرمایا ''یقیناً اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اور تمہیں اپنے فضل سے بخشش عطا فرمائے گا''۔

حر آگے بڑھا اور اپنے ساتھیوں سے جو اس کے سامنے کھڑے تھے کہنے لگا:

''اے میری قوم! تم حسین رض کی شرطوں کو جو انہوں نے تمہارے سامنے رکھی ہیں قبول کیوں نہیں کرلیتے تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے ساتھ لڑائی سے محفوظ رکھے؟ اے اہل کوفہ! تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے خطوط بھیج کر انہیں بلایا اور حتمی وعدے کئے کہ ہم آپ کے لئے اپنی جانیں قربان کردیں گے۔ لیکن اب جب کہ وہ تمہارے پاس آگئے تو تم ان سے لڑنے کے لئے نکل آئے ہو۔ تم نے ان کا محاصرہ کرلیا ہے اور خدا تعالیٰ کی وسیع زمین میں انہیں

کسی جانب بھی جانے نہیں دیتے - اب وہ ایک قیدی کے مانند ہوگئے ہیں، جو نہ اپنے آپ کی مدد کرسکتا ہے اور نہ کسی تکلیف اور مصیبت کو اپنے سے دور رکھ سکتا ہے، تم نے اُن پر اور ان کے ساتھیوں پر فرات کا پانی بند کردیا ہے جسے یہود و نصاریٰ اور مجوسی سب پی سکتے ہیں - جانوروں کو بھی اس میں سے پینے میں کوئی روک نہیں ہے، لیکن حسین رض کو ایک قطرہ پانی کا نہیں مل سکتا - وہ اور ان کے ساتھی پیاس سے تڑپ رہے ہیں، لیکن تم کھڑے ہنس رہے ہو - تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی اولاد کی خوب قدر دانی کی - اگر تم توبہ نہیں کروگے اور اپنی ہٹ سے باز نہیں آؤگے تو خداتعالیٰ قیامت کے دن تمہیں پیاسا رکھ کر تڑپائے گا"۔

اس تقریر کا جواب حر کو تیر کی صورت میں ملا - ابن سعد لشکر کے علمبردار درید کے ساتھ آگے بڑھا اور ترکش سے تیر نکال کر امام حسین رض کی فوج پر چلایا اور پکار کر کہا "لوگو! گواہ رہو کہ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے"۔

اس کے بعد عمر بن سعد کی فوج سے زیاد بن سمیہ کا غلام یسار نکلا اور مبارزت طلبی کی - حضرت امام حسین رض کی فوج سے عبداللہ بن عمر کلبی نکلے جو کوفہ سے اپنی بیوی سمیت آ کر حضرت امام حسین رض کی فوج میں شامل ہوئے تھے یسار نے پوچھا تم کون ہو؟"۔

عبداللہ نے اپنا حسب ونسب بیان کیا - یسار نے کہا:-

"میں تمہیں نہیں جانتا - میرے مقابلے کے لئے زہیر بن القین، حبیب بن مظاہر یا بریر بن خضیر میں سے کوئی نکلے"۔

عبداللہ نے کہا "تجھے اس سے کیا؟ تجھے تو لڑائی سے

غرض ہے خواہ وہ کسی سے ہو۔ تیرے مقابلے کو جو بھی نکلے گا وہ تجھ سے بہتر ہی ہوگا''۔

اس کے بعد وہ آگے بڑھے اور تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اس کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ یہ دیکھ کر ابن زیاد کا غلام سالم آگے آیا اور جھپٹ کر عبداللہ پر وار کیا۔ عبداللہ نے اسے اپنے داہنے ہاتھ پر روکا جس سے ان کی ہتھیلی کی انگلیاں کٹ گئیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اسے بھی مار گرایا۔ جب ان کی بیوی نے انہیں لڑتے دیکھا تو وہ خیمے کی ایک چوب لے کر دوڑتی ہوئی ان کے پاس آئیں اور کہا:۔

''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ آل محمد کی طرف سے لڑتے رہیں''۔

عبداللہ نے بیوی کو واپس خیمے میں بھیجنا چاہا لیکن اس نے واپس جانے سے انکار کردیا اور کہا:۔

''جب تک میں آپ کے ساتھ جان نہ دے دوں گی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گی'' یہ دیکھ کر حضرت امام حسین رض نے اس سے کہا:۔

''خدا تعالیٰ تمہیں میرے اہل بیت کی طرف سے بہتر جزا دے۔ تم واپس لوٹ جاؤ، کیونکہ عورتوں پر لڑنا فرض نہیں ہے''۔

اس پر وہ مجبوراً واپس چلی گئی۔

اس کے بعد عمرو بن الحجاج ابن سعد کے میمنہ کو لیکر حضرت امام حسین کے میمنہ کی طرف بڑھا۔ جب وہ قریب پہنچا تو حضرت امام حسین رض کے ساتھی زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہوگئے اور نیزے سیدھے کردئے۔ گھوڑے ان نیزوں کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹے۔ حسین رض کی فوج نے تیر چلانے شروع کردئے اور کئی آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اس کے بعد ابن سعد کی فوج میں سے ایک شخص عبداللہ بن حوزہ نکلا اور حضرت امام حسین کے لشکر کے سامنے آ کر کہنے لگا "کیا تم میں حسین رض ہیں ؟" کسی نے کوئی جواب نہ دیا ۔ دوبارہ اس نے یہی فقرہ کہا تب بھی کسی نے جواب نہ دیا ۔ سہ بارہ کہنے پر لوگوں نے کہا " ہاں ہیں ۔ تمہارا مقصد کیا ہے ؟" ابن حوزہ نے کہا

" اے حسین رض! میں تمہیں دوزخ کی آگ کی بشارت دیتا ہوں "

حضرت امام حسین رض نے فرمایا " تو جھوٹ بولتا ہے ۔ میں رحیم و کریم اور شفیع و مطاع رب کے حضور جاؤنگا ۔ تو ہے کون ؟"۔

اس نے جواب دیا "ابن حوزہ"

حضرت امام حسین رض نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا "اے اللہ! اسے دوزخ میں داخل کر"!

ابن حوزہ یہ سن کر غصے سے بے قابو ہو گیا ۔ اسی دوران میں اس کا گھوڑا بدک گیا ۔ اس کا پاؤں رکاب میں اٹک گیا ۔ اور وہ گھوڑے کی پیٹھ پر سے گر پڑا ۔ گھوڑا سرپٹ بھاگا جا رہا تھا اور ابن حوزہ کا سر پتھروں اور درختوں سے ٹکرا رہا تھا ، اسی حالت میں اس کا کام تمام ہو گیا ۔

مسروق بن وائل حضرمی نے جو ابن سعد کی فوج میں تھا ، اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ کاش اسے حضرت امام حسین رض کا سر کاٹنے کا موقعہ ملتا اور وہ اسے لے کر ابن زیاد کے پاس جاتا ۔ جب اس نے ابن حوزہ کا عبرتناک انجام دیکھا تو اسے اتنا خوف محسوس ہؤا کہ وہ یہ کہتا ہؤا کوفہ واپس لوٹ گیا کہ میں حسین رض کے ساتھ کبھی نہ لڑونگا ۔

ابھی تک باقاعدہ جنگ شروع نہیں ہوئی تھی - طرفین سے ایک ایک دو دو آدمی نکلتے اور اپنے مدمقابل پر حملہ آور ہوتے - جنگ مبارزت میں حضرت امام حسین رض کا پلہ بھاری تھا ، جو شخص بھی سامنے آتا مارا جاتا - حر بن یزید اور دوسرے لوگوں نے بہادری کا حیرت انگیز مظاہرہ کیا - ان کے سامنے ابن سعد کے بہادروں کی ایک نہ چلی - اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت امام حسین رض کے ساتھیوں کے سامنے صرف ایک مقصد تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرسکیں - اس جذبے نے انہیں بیخوف بنا دیا تھا اور وہ موت کی قطعاً پروا نہ کرتے تھے ، لیکن ان کے مد مقابل جو لوگ تھے وہ محض انعام واکرام کی خاطر جنگ کرنے آئے تھے - ان میں وہ روح نہ تھی جو حضرت امام حسین رض کے ساتھیوں میں جاری و ساری تھی -

جب شامی فوج کئی آدمیوں کا نقصان اٹھا چکی تو میمنہ کے سالار عمروبن حجاج نے پکار کر کہا کہ انفرادی جنگ بند کردی جائے اور عام حملہ شروع کر دیا جائے - چنانچہ انفرادی لڑائی بند ہو گئی - اور خود عمرو بن الحجاج فرات کی جانب سے حضرت امام حسین رض کی فوج پر حملہ آور ہؤا - تھوڑی دیر تک لڑائی جاری رہی - امام حسین رض کی طرف سے شہادت کا شرف سب سے پہلے مسلم بن عوسجہ کو حاصل ہؤا تھوڑی دیر کے لئے جب لڑائی بند ہوئی اور عمرو بن حجاج اپنے دستے کو لے کر واپس چلا گیا تو حضرت امام حسین رض مسلم رض کے پاس پہنچے - ابھی ان میں تھوڑی سی جان باقی تھی - حسین رض نے فرمایا -

" اے ابن عوسجہ! خدا تعالیٰ تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے ! اس کے بعد یہ آیت پڑھی —

منہم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا
"ان میں سے بعض نے اپنا عہد پورا کردیا اور بعض انتظار کر رہے ہیں وہ ذرا بھی تو نہ بدلے"

حضرت امام حسین رض کے بعد حبیب بن مظاہر مسلم بن عوسجہ کے پاس پہنچے اور کہا :-

"میں تمہیں جنت کی بشارت دیتا ہوں۔ اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ میں عنقریب تمہارے پاس پہنچوں گا تو تم سے وصیت کی درخواست کرتا۔ اور اُسے پورا کرتا"

مسلم بن عوسجہ نے حضرت امام حسین رض کی طرف اشارہ کر کے کہا : "میں تمہیں صرف ان کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ تم مر مٹنا مگر اپنے سامنے انہیں کوئی گزند نہ پہنچنے دینا" یہ کہہ کر انہوں نے جان دے دی۔

حضرت امام حسین رض کے ساتھی جان توڑ کر لڑے۔ جو آدمی جس طرف رخ کرتا ، صفوں کی صفیں اُلٹ دیتا تھا۔ یزید بن کندی ، عمر بن سعد کے ساتھ کوفے سے آیا تھا لیکن جب ابن سعد نے حضرت امام حسین رض کی شرائط کو مسترد کردیا تو وہ حضرت امام حسین رض کی فوج کے ساتھ شامل ہوگیا تھا۔ وہ اپنے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا اور دشمنوں پر تیر چلانے شروع کئے۔ سو تیر چلائے جن میں سے صرف پانچ خطا گئے۔ جب وہ تیر چلاتا حضرت امام حسین رض فرماتے "اے اللہ! اس کے تیروں کو نشانہ پر بٹھا اور اس کے بدلے اسے جنت عطا فرما"۔

یہ حالت دیکھ کر شمر بن ذی الجوشن نے عمر بن سعد کے میسرہ کے ساتھ چاروں طرف سے حضرت امام حسین رض کے ساتھیوں پر حملہ کردیا۔ لیکن آپ کے ساتھی بے جگری سے لڑے اور اس حملہ کو بھی پسپا کردیا۔ آخر سوار دستہ

کے سردار عروہ بن قیس نے عمر بن سعد کو پیغام بھیجا کہ ان گنتی کے چند لوگوں نے ہمارا برا حال کردیا ہے، تم ہماری مدد کے لئے کچھ پیادہ اور کچھ تیرانداز بھیجو۔

عمر بن سعد نے پانچ سو تیراندازوں کا ایک دستہ حصین بن نمیر کی سرکردگی میں مدد کے لئے روانہ کردیا۔ حصین بن نمیر نے اپنے آدمیوں کو تیر چلانے کا حکم دیا۔ تیروں سے حسین رض کی فوج کے گھوڑے زخمی ہوگئے۔ اور سواروں کو مجبوراً گھوڑوں سے اترنا پڑا۔

حر بن یزید کا گھوڑا بھی زخمی ہوگیا۔ وہ گھوڑے سے کود پڑا اور تلوار ہاتھ میں لے کر دشمنوں کی صف میں گھس گیا۔ دشمن چاروں طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے شہید کردیا۔

دوپہر ہوگئی لیکن نہ حضرت امام حسین رض کی فوج میں ضعف کے آثار نمودار ہوئے اور نہ ابن سعد کی فوج غلبہ حاصل کرسکی، وجہ یہ تھی کہ حضرت امام حسین رض نے اپنے خیموں کی ترتیب اس طرح رکھی ہوئی تھی کہ دشمن صرف ایک جانب سے حملہ کرسکتا تھا۔ آخر ابن سعد نے حکم دیا کہ امام حسین رض کی فوج کے دائیں اور بائیں جو خیمے ہیں انہیں گرا دیا جائے۔ لیکن یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوسکی۔ حضرت امام حسین نے چار پانچ آدمی خیموں کی آڑ میں چھپا دئے۔ جو آدمی ان کی زد میں آتا وہ یا اسے تیروں کے ذریعہ ہلاک کردیتے یا تلوار سے قتل کردیتے۔ یہ دیکھ کر عمر بن سعد نے خیموں کو آگ لگانے کا حکم دیا۔ حضرت امام حسین رض نے فرمایا:

”کچھ پروا نہیں۔ انہیں جلانے دو۔ یہ ہمارے لئے اور بھی بہتر ہے کیونکہ اب یہ لوگ پیچھے سے حملہ نہیں کر سکیں گے“۔

چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔

اسی دوران میں عبداللہ بن عمیر کلبی بھی شہید ہوچکے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد ان کی بیوی ان کے پاس جاکر سر سے مٹی پونچھنے لگیں۔ مٹی پونچھتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں ”تمہیں جنت مبارک ہو“۔ شمر نے اپنے غلام رستم کو حکم دیا کہ اس عورت کو جا کر قتل کر دو۔ رستم نے جا کر خیمے کی چوب سے اس کا سر کچل دیا۔

شمر بن ذی الجوشن نے ایک زور دار حملہ کیا اور حضرت امام حسین رض کے خیمے تک پہنچ گیا، قریب پہنچ کر اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ آگ لگاؤ۔ میں اس خیمے کو جلا دوں۔ حضرت امام حسین رض نے فرمایا ”تو میرے اہل بیت کو جلانا چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ تجھے دوزخ کی آگ میں جلائے،، شبث بن ربعی نے بھی اسے لعنت ملامت کی۔ آخر شمر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد زہیر بن القین نے دس آدمیوں کے ساتھ ان لوگوں پر جو خیموں کو جلانے میں مصروف تھے، حملہ کردیا اور ایک شخص ابوعزہ کو قتل کر ڈالا۔

اب حضرت امام حسین رض کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی رہ گئے تھے۔ باقی شہید ہوچکے تھے۔ گو کوفیوں کے بھی کئی آدمی قتل ہوئے تھے لیکن چونکہ ان کا ایک لشکر جرار میدان میں موجود تھا اس لئے اگر ان کے چند آدمی قتل ہوجاتے تھے تو کوئی کمی محسوس نہ ہوتی تھی لیکن امام حسین رض کی فوج کے کسی آدمی کے شہید ہوجانے سے نمایاں کمی محسوس ہوتی تھی۔

ظہر کی نماز کا وقت جا رہا تھا، حضرت امام حسین رض نے اپنے آدمیوں سے فرمایا کہ دشمنوں سے کہو وہ ہمیں نماز

پڑھنے دیں - لیکن دشمن نے یہ درخواست نامنظور کردی اس لئے مجبوراً لڑائی کی حالت میں ہی صلوۃ خوف ادا کی گئی - نماز کے بعد زہیر بن القین نے پھر دشمنوں کی فوج پر زور سے حملہ کر دیا لیکن کب تک ؟ دشمن کی فوج میں سے کثیر بن عبداللہ الشعبی اور مہاجر بن اوس نے ان پر حملہ کیا اور شہید کردیا -

نافع بن ہلال بجلی نے اپنے تیروں کے ذریعہ کوفی فوج کے بارہ آدمی مارے تھے اور سینکڑوں کو مجروح کیا تھا - وہ خود بھی بری طرح زخمی ہوگئے تھے - آخر دشمنوں نے انہیں گرفتار کرلیا ، شمر بن ذی‌الجوشن انہیں لیکر عمر بن سعد کے پاس آیا - خون سے ان کا سارا جسم تربتر تھا - انہوں نے ابن سعد کے پاس پہنچ کر کہا :

”میں نے تمہارے بارہ آدمی مارے اور سینکڑوں کو زخمی کیا - اگر میرا ایک بازو بھی سلامت رہتا تو تم مجھے گرفتار نہ کر سکتے“۔

شمر نے انہیں قتل کرنے کے لئے اپنی تلوار اٹھائی - نافع نے کہا :-

”اگر تم مسلمان ہوتے تو یقیناً تم ہمارا خون اپنی گردن پر لیکر خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے سے ہچکچاتے - خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہماری موتیں ایسے آدمیوں کے ہاتھوں سے واقع ہو رہی ہیں جو اس کی مخلوق میں بدترین ہیں“۔

یہ سن کر شمر کے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی - اس نے تلوار سے نافع کو شہید کردیا - اور حضرت امام حسین رض کی فوج پر پھر زبردست حملہ شروع کر دیا - آپ کی فوج کا بڑا حصہ شہید ہوچکا تھا - صرف چند لوگ آپ کے ارد گرد

باقی رہ گئے تھے - جب انہوں نے دیکھا کہ دم بدم کوفی فوج کا غلبہ ہوتا جارہا ہے تو انہوں نے یہ طے کرلیا کہ قبل اس کے کہ دشمن حضرت امام حسین رض پر حملہ آور ہو وہ سب کے سب آپ کی حفاظت کے لئے ایک ایک کرکے قتل ہوجائیں - چنانچہ سب سے پہلے دو غفاری بھائی عبداللہ اور عبدالرحمان آگے آئے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے -

ان کے بعد حنظلہ بن سعد شبابی حضرت امام حسین رض کے آگے کھڑے ہوئے اور دشمن کو پکار کر کہا "اے اہل کوفہ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تمہارا حشر بھی عاد و ثمود کی طرح نہ ہو اور تم برباد ہوجاؤ ، اے میری قوم! حسین رض کو قتل نہ کرو - کیونکہ تم اپنے آپ کو دردناک عذاب کی لپیٹ میں لے آؤ گے" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے -

حنظلہ کے بعد دو جابری لڑکے سیف بن حارث بن سریع اور مالک بن عبد بن سریع آئے - یہ دونوں بھائی بھائی تھے - انہوں نے دعاؤں کے ساتھ حضرت امام حسین رض کو الوداع کہا اور آگے بڑھ کر شہید ہوگئے -

ان کے بعد عابس بن ابی شبیب الشاکری اور شوذب آگے بڑھے - حضرت امام حسین رض کو سلام کیا اور دشمنوں کی صف میں گھس کر بے جگری سے لڑنے لگے - شوذب تو شہید ہوگئے - عابس نے مبازرت طلب کی - عمر بن سعد نے کہا "اسے پتھروں سے ہلاک کردو"-

چنانچہ چاروں طرف سے ان پر پتھر پڑنے لگے - جب انہوں نے یہ دیکھا تو اپنا خود اور زرہ اتاری اور بڑے جوش و خروش سے دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور انہیں درہم برہم کردیا - لیکن تھوڑی دیر کے بعد شامی پھر نرغہ

کر کے بڑھے اور انہیں شہید کر دیا۔

ضحاک بن عبداللہ المشرقی نے دیکھا کہ اب حضرت امام حسین رض کے گرد گنتی کے چند آدمی باقی رہ گئے ہیں باقی سب شہید ہوچکے ہیں تو وہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا ”اے ابن رسول اللہ! آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ جب تک ممکن ہوگا میں آپ کے ساتھ لڑوں گا۔ لیکن جب دیکھوں گا کہ مجھ میں لڑنے کی طاقت نہیں تو میں میدان جنگ سے چلا جاؤں گا“۔

حضرت امام حسین رض نے فرمایا: ”بیشک تم نے یہی کہا تھا، لیکن اب تم کس طرح بھاگ سکتے ہو؟ تمہارے لئے فرار کی سب راہیں بند ہیں۔ اگر بھاگ سکتے ہو تو ضرور بھاگ جاؤ۔ میری طرف سے اجازت ہے۔“

جس وقت شامی فوج کی طرف سے حسین رض کی فوج پر تیروں کی بارش شروع ہوئی تھی اور تمام گھوڑے زخمی ہو کر ناکارہ ہوگئے تھے تو ضحاک نے اپنا گھوڑا ایک خیمے میں چھپا دیا تھا اور پیدل چل کر دشمنون سے لڑائی کر کے دو آدمیوں کو قتل کردیا تھا۔ جب حضرت امام حسین رض نے اسے واپس جانے کی اجازت دے دی تو اس نے خیمے سے اپنا گھوڑا نکالا اور میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ شامی فوج کے پندرہ سپاہیوں نے اس کا پیچھا کیا لیکن وہ ہاتھ نہ آیا۔

اب حضرت امام حسین رض کے ساتھیوں میں سے صرف دو شخص سوید بن عمر بن ابی المطاعؒ اور بشیر بن عمروالحضرمی رہ گئے تھے۔ یہ بھی بے جگری سے آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ سوید بن عمر حضرت امام حسین رض کے آخری ساتھی تھے جنھوں نے جام شہادت نوش کیا اب آپ کے ساتھ سوائے آپ کے گھر والوں کے جن کی تعداد بہت تھوڑی تھی، اور کوئی شخص باق لہ رہا۔

شہادت عظمیٰ

جاں نثاران حسین رض ایک ایک کر کے سب شہید ہو چکے تھے - اب صرف خاندان بنی ہاشم کے افراد باقی رہ گئے تھے وہ بھی دل و جان سے آپ پر فدا ہونے کے لئے تیار تھے - سب سے پہلے حضرت امام حسین کے بیٹے علی اکبر میدان میں آئے - وہ انیس برس کے خوبرو اور خوش شکل نوجوان تھے - انہوں نے دشمن کے لشکر پر حملہ کیا - حملہ کے وقت یہ رجز پڑھتے جاتے تھے :

انا علی بن الحسین بن علی - نحن و رب البیت اولیٰ بالنبی
تا للہ لا یحکم فینا ابن الدعی

"میں علی بن حسین بن علی ہوں - خانۂ کعبہ کے رب کی قسم ہم نبی کے قرب کے زیادہ مستحق ہیں - خدا تعالیٰ کی قسم نا معلوم باپ کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کر سکے گا" -

وہ بجلی کی طرح دشمنوں کی صفوں میں ادھر سے آدھر پھر رہے تھے اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھا رہے تھے - آخر مرہ بن منقذ العبدی نے اُن پر نیزے کا وار کر کے اُن کو زمین پر گرا دیا - اُن کا گرنا تھا کہ چاروں طرف سے دشمن خونخوار بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑے اور تلواروں سے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے - یہ دل گداز منظر دیکھ کر ان کی پھوپھی زینب تڑپ کر خیمے سے باہر آئیں اور "اے میرے بھتیجے" کہہ کر علی اکبر کی لاش کے ٹکڑوں پر گر پڑیں - حضرت

امام حسین رض نے انہیں زبردستی خیمے میں واپس بھیجا اور بیٹے کی لاش کے ٹکڑوں کو اس کے بھائیوں کی مدد سے اٹھوا کر خیموں کے سامنے لٹا دیا ۔

علی اکبر کے بعد یکے بعد دیگرے عبداللہ بن مسلم رض بن عقیل ۔ عون بن عبداللہ بن جعفر ۔ محمد بن عبداللہ بن جعفر ۔ عبدالرحمان بن عقیل بن ابی طالب اور جعفر بن عقیل میدان کارزار میں نکلے اور شہید ہوئے۔

ان کے بعد قاسم بن حسن بن علی ہاتھ میں تلوار لے کر میدان میں آئے وہ اس قدر حسین تھے کہ ان کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا ۔ عمرو بن سعد بن نفیل ازدی نے ان کی گردن پر تلوار ماری ۔ قاسم چلائے ۔ ''اے چچا الوداع'' اور زمین پر گر پڑے ۔

ان کی آواز سنتے ہی حضرت امام حسین رض باز کی طرح جھپٹے اور شیر کی طرح حملہ کر کے عمرو کا ہاتھ کاٹ ڈالا ۔ عمرو کی چیخ پکار سن کر کوفی سوار اسے بچانے کے لئے ٹوٹ پڑے لیکن گھبراہٹ میں بجائے بچانے کے اسے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوؤں سے روند ڈالا ۔ اور وہ اسی وقت ہلاک ہو گیا ۔

جس وقت غبار چھٹا تو لوگوں نے دیکھا کہ حضرت امام حسین رض قاسم کی لاش کے سرہانے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں :—

'' اس قوم کے لئے ہلاکت ہو جس نے تجھے قتل کیا ۔ قیامت کے دن یہ لوگ تیرے نانا (صلعم) کو کیا جواب دیں گے ؟ ''

اس کے بعد فرمایا '' خدا تعالیٰ ! کی قسم تیرے چچا کے لئے

یہ امر سخت حسرت کا موجب ہے کہ تو اسے پکارے اور وہ تجھے جواب نہ دے سکے اور نہ تیری کوئی مدد کر سکے۔ افسوس آج تیرے چچا کے دشمن بہت ہو گئے اور مددگار کوئی بھی باقی نہ رہا۔''

یہ کہہ کر اسے اٹھایا اور اپنے بیٹے علی اکبر اور دیگر اہل بیت کی لاشوں کے پاس لٹا دیا۔ اس کے بعد حضرت امام حسین رض اپنے خیمے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ عین اسی وقت آپ کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اسے آپ کے پاس لایا گیا اور آپ اس کے کان میں اذان دینے لگے۔ فوراً ھی بنی اسد کے ایک بد بخت نے ایسا تیر مارا جو اس کے حلق میں آ کر پیوست ہو گیا اور بچے کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ حضرت امام حسین رض نے اپنے چلو میں اس کا خون بھرا اور اسے زمین پر گرا دیا۔ بعد ازاں اسے بھی دوسرے شہیدوں کے پاس لا کر لٹا دیا۔

اسی دوران میں عبداللہ بن عقبہ نے ابوبکر بن حسن بن علی رض کو تیر مار کر شہید کر دیا۔

جب عباس بن علی نے دیکھا کہ خاندان کے تمام لوگ ایک ایک کر کے فدا ہو گئے ہیں تو انہوں نے اپنے سوتیلے بھائیوں عبداللہ بن علی۔ جعفر بن علی اور عثمان بن علی سے کہا کہ اب تمہارے قربان ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ آگے بڑھو اور خدا تعالیٰ کے راستے میں اپنی جانیں دے دو۔ چنانچہ سب سے پہلے عبداللہ بن علی آگے بڑھے اور شدید لڑائی کے بعد جام شہادت نوش کیا۔ ان کے بعد جعفر بن علی بڑھے وہ بھی شہید ہوئے۔ ان کے بعد عثمان بن علی میدان میں نکلے ان پر بنو ابان کے ایک

شخص نے حملہ کیا اور اُن کا سر تن سے جدا کر دیا۔ بنو ابان ھی کے ایک شخص نے محمد بن علی رض بن ابی طالب پر حملہ کیا اور انہیں شہید کر دیا۔

اسی دوران میں اهل بیت کے خیموں میں سے ایک ننھا بچہ نکلا اور خوف زدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ھانی بن ثبیت حضرمی نے آگے بڑھ کر اُسے بھی شہید کر دیا۔

حضرت امام حسین رض زخموں سے چور چور ھو چکے تھے۔ اور آپ کو شدید پیاس لگی ھوئی تھی۔ آپ اپنے بھائی عباس کو لے کر دریائے فرات کی طرف چلے۔ دشمن کے سواروں نے آپ کو روکنا چاھا مگر آپ لڑتے بھڑتے کنارے تک پہنچ ھی گئے اور برتن میں پانی لے کر پینا ھی چاھتے تھے کہ حصین بن نمیر نے تیر مارا جو آپ کے گلے میں پیوست ھو گیا۔ آپ نے تیر کھینچا اور اپنے ھاتھ منہ کی طرف اٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے۔ آپ نے خون کو آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا:

اے اللہ! میں تجھ ھی سے شکوہ کرتا ھوں۔ دیکھ تیرے رسول (صلعم) کے نواسے کے ساتھ کیا سلوک ھو رھا ھے!"

"یہ کہہ کر اسی شدت پیاس کی حالت میں آپ واپس لوٹے۔ دشمنوں نے نرغہ کر کے عباس بن علی کو آپ سے علیحدہ کر دیا۔ عباس بن علی تن تنہا ان سے لڑنے لگے۔ مگر کب تک؟ آخر زخموں سے چور ھو کر زمین پر گر پڑے اور اپنی جان اپنے خدا کے سپرد کر دی۔

جب حضرت امام حسین رض اپنے خیمے کی طرف واپس لوٹے تو شمر بن ذی الجوشن کئی سواروں کو لے کر جن میں ابو الجنوب عبدالرحمان الجعفی، قشعم بن عمرو بن یزیدالجعفی، صالح بن

وھب الیزنی، سنان بن انس النخعی اور خولی بن یزید الاصبحی تھے، آپ کی جانب بڑھا۔ اور انہیں آپ کے خلاف بر انگیختہ کرنے لگا۔ آپؓ بھی آگے بڑھ کر اپنی تلوار کے جوہر دکھانے لگے جس کی تاب نہ لا کر وہ لوگ پیچھے ہٹ گئے لیکن تھوڑی دیر میں وہ پھر جمع ہو گئے اور آپ کا محاصرہ کر لیا۔ قبیلہ کندہ کے ایک شخص مالک نے تلوار سے آپ کے سر پر وار کیا آپ ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ تلوار ٹوپی کو چیرتی ہوئی سر میں جا کر لگی۔ سر سے خون جاری ہو گیا اور تمام ٹوپی خون سے بھر گئی۔ آپ نے ٹوپی اتاری سر پر پٹی باندھی اور دوسری ٹوپی اوڑھ کر اس کے اوپر عمامہ باندھ لیا۔

خیمے کے اندر سے نو عمر عبداللہ بن حسن بن علی نے جب آپ کو دشمنوں کے نرغے میں گھرا دیکھا تو وہ جوش سے بے قابو ہو گیا اور ایک لکڑی لے کر آپ کے پہلو میں جا کھڑا ہؤا۔ اسی وقت ابن کعب نے امام حسینؓ پر تلوار سے ایک اور حملہ کیا۔ عبداللہ بن حسن نے چلا کر کہا:

"اے خبیث ماں کے بچے! میرے چچا کو قتل کریگا؟"

یہ سن کر ابن کعب نے بچے پر تلوار چلائی۔ بچے نے اپنے ہاتھ پر وار روکا جس سے اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ بچہ تکلیف سے بے قرار ہو کر چیخنے لگا۔ حضرت امام حسینؓ نے اسے گود میں اٹھا لیا اور فرمایا:—

"اے میرے بھتیجے! اس مصیبت پر جو تجھ پر پڑی صبر کر۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے پاک و مطہر آباو اجداد تک پہنچا دے گا۔"

س کے بعد آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا

''اے اللہ ! ان لوگوں سے بارش کے قطروں کو روک دے اور زمین کی برکتوں کو ان پر حرام کر دے۔ اے اللہ ! اگر تو انہیں کچھ دنوں کی اور مہلت دے تو ان میں پھوٹ ڈال دے اور انہیں ایک دوسرے سے الگ الگ کر دے کیونکہ ان لوگوں نے ہمیں بلایا اور ہماری مدد کا وعدہ کیا لیکن جب ہم آ گئے تو ہمارے خلاف میدان جنگ میں کود پڑے اور ہمیں قتل کر دیا''۔

آپ کا سر اور تمام بدن شدید زخمی ہو چکا تھا لیکن اس حالت میں بھی جب آپ تلوار چلاتے تھے تو آپ کے دائیں بائیں دشمنوں کی بھیڑ اس طرح چھٹ جاتی تھی جس طرح پانی پر سے کائی۔ اسی دوران میں آپ کی بہن زینب اپنے خیمے سے یہ کہتی ہوئی باہر نکلیں ''کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے''۔ اسی موقعہ پر عمر بن سعد حضرت امام حسین کے قریب پہنچا۔ زینب نے چلا کر کہا ''اے عمر ! کیا ابو عبداللہ (امام حسین رض) تیری آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائیں گے'' ؟ یہ سن کر عمر بن سعد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ٹپ ٹپ اس کے رخسار اور داڑھی پر گرنے لگے۔ جس پر اس نے منہ پھیر لیا۔

حضرت امام حسین رض انتہائی بہادری کے ساتھ لڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے :

''کیا تم میرے قتل پر مجتمع ہو گئے ہو ؟ خدا تعالیٰ کی قسم ! میرے بعد اپنے بندوں میں سے کسی بندے کے قتل پر خدا تعالیٰ اتنا ناراض نہیں ہو گا جتنا میرے قتل پر ہو گا۔ مجھے اللہ تعالیٰ ضرور عزت بخشے گا لیکن تم سے ایسے ایسے طریقوں سے انتقام لے گا کہ تم ان کا تصور بھی نہ کر سکو گے۔''

اب بہت دیر ہو چکی تھی - دشمن اگر چاھتا تو کافی دیر پہلے آپ کو شہید کر چکا ھوتا لیکن ھر شخص اس گناہ کا بار دوسرے پر ڈالنا چاھتا تھا اور خود بچنا چاھتا تھا -

جب شمر بن ذی الجوشن نے یہ دیکھا تو پیدل فوج کے پیچھے سوار لا کر کھڑے کر دئے اور تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ تیر چلائیں - ساتھ ھی چلا کر کہا :-

''تمہارا بُرا ھو تم کس کا انتظار کر رھے ھو ؟ حسین کو قتل کیوں نہیں کر چکتے'' ؟

چنانچہ چاروں طرف سے آپ پر حملہ کر دیا گیا - زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کے بائیں بازو پر تلوار ماری اور اسے الگ کر دیا - پھر آپ کے شانے پر تلوار ماری - آپ لڑکھڑائے - لوگ پیچھے ھٹ گئے - لیکن سنان بن انس نخعی نے آگے بڑھ کر آپ کے نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے - خولی بن یزید الاصبحی آپ کا سر کاٹنے کے لئے آگے بڑھا لیکن ھمت نہ پڑی - یہ دیکھ کر سنان نے کہا :-

''اللہ تعالیٰ تیرے اعضاء کو شل کر ڈالے !'' یہ کہہ کر خود گھوڑے سے اتر کر آپ کو ذبح کیا -

''مفید'' میں لکھا ھے کہ آپ کا سر خود شمر بن ذی الجوشن نے کاٹ کر خولی بن یزید کے حوالے کیا تھا -

شہادت کے بعد دیکھا گیا تو معلوم ھؤا کہ آپ کے جسم پر تیروں کے زخموں کے علاوہ نیزوں کے تینتیس اور تلوار کے چونتیس زخم تھے -

آپ کو شہید کرنے کے بعد ظالموں نے آپ کے کپڑے تک اتار لئے - حضرت امام حسین رض کے ساتھیوں میں سے ایک شخص

سوید بن ابی المطاع ابھی تک زندہ تھے اور مقتولوں کے درمیان پڑے ہوئے دم توڑ رہے تھے - انہوں نے لوگوں کو کہتے ہوئے سنا کہ حسین رض قتل کر دئے گئے - وہ یہ سن کر اسی جانکنی کی حالت میں اٹھے اور قریب پڑی ہوئی ایک چھری لے کر دشمنوں کی طرف بڑھے لیکن دشمنوں کی تلوار کی ایک ہی ضرب سے ان کا کام تمام کر دیا گیا - قافلۂ حسین رض میں وہ سب سے آخری شہید تھے -

اب کوفی خیموں کی طرف بڑھے اور اہل بیت کا کل سامان لوٹ لیا - اس کے بعد وہ زین العابدین کی طرف بڑھے جو بیمار پڑے ہوئے تھے - شمر نے انہیں بھی قتل کرنا چاہا لیکن حمید بن مسلم نے کہا :-

"سبحان اللہ ! کیا بچوں کو بھی قتل کروگے" ؟

شمر کے باقی ساتھیوں نے بھی کہا کہ ہم اس بیمار کو قتل نہیں کریں گے - اسی اثناء میں عمر بن سعد بھی وہاں آ گیا - اس نے کہا "خبردار کوئی شخص خیموں میں نہ جائے - اس بیمار کو کوئی ہاتھ نہ لگائے - اور جس نے جو کچھ لوٹا ہے سب واپس کر دے" -

اس نے خیموں پر چند سپاہی بھی متعین کر دئے تا کہ وہ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کریں - یہ انتظام کرنے کے بعد وہ واپس میدان میں آ گیا اور پکار کر کہا کہ حسین رض کا جسم روندنے کے لئے کون کون تیار ہے ؟ اس پر دس آدمیوں نے اپنے نام پیش کئے اور گھوڑے دوڑا کر جسم اطہر کو روند ڈالا -

دن کا آخری حصہ تھا ۔ آفتاب زیادہ دیر تک اس ہولناک منظر کو نہ دیکھ سکا اور خون روتا ہؤا غروب ہو گیا ۔

حضرت امام حسین رض کی شہادت کا واقعہ یوم عاشورا یعنی ۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ع کو بعد نماز ظہر پیش آیا۔ حضرت امام حسین رض کی عمر اس وقت پچپن برس کی تھی ۔ آپ کے ساتھ بہتر آدمی شہید ہوئے ان میں اٹھارہ آپ کے رشتہ دار اور خاندان بنو ہاشم کے فرد تھے جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں :۔

(۱) عباس بن علی (۲) جعفر بن علی (۳) عبداللہ بن علی (۴) عثمان بن علی (۵) محمد بن علی (۶) ابوبکر بن علی (۷) علی بن حسین بن علی (علی اکبر) (۸) عبداللہ بن حسین (۹) ابوبکر بن حسن (۱۰) عبداللہ بن حسن (۱۱) قاسم بن حسن (۱۲) عون بن عبداللہ بن جعفر طیار (۱۳) محمد عبداللہ بن جعفر (۱۴) جعفر بن عقیل بن ابی طالب (۱۵) عبدالرحمان بن عقیل (۱۶) عبداللہ بن عقیل (۱۷) عبداللہ بن مسلم بن عقیل (۱۸) محمد بن ابو سعید بن عقیل رضی اللہ عنہم ۔

عمر بن سعد کی فوج کے اٹھاسی آدمی مارے گئے ۔ زخمیوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی ۔

عمر نے تمام شہداء کے سر کاٹنے کا حکم دیا اور شمر ذی الجوشن، قیس بن اشعث، عمرو بن الحجاج اور عروہ بن قیس کے ہاتھ یہ سر ' حضرت امام حسین رض کے سر کے ساتھ ابن زیاد کے پاس بھجوا دئے۔ یہ لوگ ان سروں کو نیزوں پر لٹکا کر ابن زیاد کے پاس لے گئے ۔

شہادت کے دو روز بعد عمر بن سعد، حضرت امام حسین رضؓ کی لڑکیوں، بہنوں، شیرخوار بچوں اور علی بن حسین زین العابدین کو اپنے همراه لے کر کربلا سے کوفه روانه هؤا - جب یه تباه شده قافله اس جگه سے گزرا جهاں حضرت حسین رضؓ اور دیگر شهداء کی لاشیں بے گور و کفن چٹیل میدان میں پڑی تهیں تو قافله میں ایک ماتم بپا هو گیا - آپ کی بهن زینب رو رو کر کهتی تهیں :-

''اے محمد صلعم! جن پر ملائکه آسمان سے درود بهیجتے هیں - دیکھئے یه حسین رضؓ خاک و خون سے آلوده ٹکڑے ٹکڑے هو کر چٹیل میدان میں پڑا هے - آپ کی بیٹیاں قیدی هیں - آپ کی اولاد مقتول هے اور هوا ان پر خاک اڑا رهی هے'' !

یه دردناک مرثیه سن کر دوست دشمن کوئی نه تها جو رونے نه لگا هو - اس وقت ان لوگوں کو احساس هؤا که وه کس قدر شدید گناه کے مرتکب هوئے هیں - لیکن اب کیا هو سکتا تها ؟

جب عمر بن سعد میدان کربلا سے کوچ کر گیا تو اهل غاضریه نے جو قریب هی رهتے تهے آ کر نماز جنازه ادا کی اور حضرت امام حسین رضؓ اور دیگر شهداء کی لاشیں دفن کیں -

,,مفید،، کهتا هے که حضرت امام حسین رضؓ کا مزار اسی جگه هے جهاں دیگر شهداء کو دفن کیا گیا تها - علی بن حسین کو آپ کے قدموں میں دفن کیا گیا - آپ کے اهل بیت اور دیگر شهداء کے لئے ایک هی گڑها کهودا گیا اور سب کو ایک ساتھ هی دفن کر دیا گیا - عباس بن علی رضؓ کو جو حضرت امام

حسین رض کے ساتھ دریائے فرات تک گئے تھے اور دشمنوں نے نرغہ کر کے انہیں وھیں شہید کر دیا تھا، اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں آپ شہید ہوئے تھے۔

حضرت امام حسین رض کے سر کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ھے کہ وہ کہاں دفن کیا گیا۔ بعض کہتے ھیں کہ دمشق میں دفن کیا گیا، بعض کہتے ھیں اسے مدینہ بھیج دیا جہاں اسے دفن کیا گیا، بعض دیگر مقامات کا نام لیتے ھیں۔

خاندان حسین رضؓ

ابن زیاد اور یزید

ابن زیاد قصر الامارۃ میں بیٹھا ہؤا تھا۔ لوگوں کو محل میں آنے کی عام اجازت تھی۔ حضرت امام حسین رضؓ کا سر ایک طشت میں اس کے سامنے رکھا ہؤا تھا۔ وہ اسے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور ایک چھڑی بار بار آپ کے لبوں پر مارتا تھا۔ اس کے ایک جانب رسول اللہ صؐ کے صحابی زید بن ارقم رضؓ بیٹھے ہوئے تھے جو بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ابن زیاد اس حرکت سے باز نہیں آتا تو انہوں نے فرمایا :—

''ان لبوں سے چھڑی ہٹا لو کیونکہ اُس خدا کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں! میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صؐ ان ہونٹوں پر اپنا ہونٹ رکھتے تھے اور چومتے تھے'' !

یہ کہہ کر وہ رونے لگے۔

ابن زیاد نے کہا ''خدا تعالیٰ تیری دونوں آنکھوں کو رلائے۔ خدا تعالیٰ کی قسم اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا اور تیری عقل ماری نہ گئی ہوتی تو میں تیری گردن اڑا دیتا'' !

حضرت زید بن ارقم رضؓ یہ کہتے ہوئے اس مجلس سے اٹھ

کھڑے ہوئے : "اے عرب کے لوگو ! آج کے بعد تم غلام بن گئے کیونکہ تم نے فاطمہ رض کے لخت جگر کو قتل کیا۔ اور ابن زیاد کو اپنا حاکم بنایا' جو تمہارے نیک لوگوں کو قتل کرتا اور شریروں کو نوازتا ہے"۔

جب اہل بیت کے دوسرے افراد اور حضرت امام حسین رض کی ہمشیرہ زینب ' ابن زیاد کے پاس لائی گئیں تو ان کی حالت نہایت خستہ ہو رہی تھی اور وہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ زینب آکر محل کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں آن کے ارد گرد آن کی لونڈیاں بیٹھ گئیں۔ ابن زیاد نے پوچھا "یہ کون ہے جو محل کے گوشہ میں بیٹھی ہے اور چاروں طرف سے عورتیں اُسے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں ؟" ابن زیاد کی اس بات کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے دوبارہ پوچھا تب بھی کوئی جواب نہ ملا تیسری بار پوچھنے پر ایک لونڈی نے کہا :

"یہ رسول اللہ صلعم کی نواسی اور فاطمہ رض کی بیٹی زینب ہیں" اس پر ابن زیاد نے انہیں مخاطب کر کے کہا :—

"خدا تعالیٰ کا شکر ہے جس نے تمہیں ذلیل و خوار کیا اور تمہیں جھٹلایا"۔

حضرت زینب نے جواب دیا "خدا تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں اپنے نبی کے ذریعہ عزت دی اور ہمیں رجس و گندگی سے پاک کیا۔ ہم نہیں بلکہ فاسق ذلیل ہوتے ہیں اور فاجر جھٹلائے جاتے ہیں"۔

ابن زیاد نے کہا : "تو نے دیکھا خدا تعالیٰ نے تیرے گھر والوں سے کیا سلوک کیا ؟" زینب نے جواب دیا۔ "آن کی قسمت میں قتل ہونا لکھا تھا اس لئے وہ اپنے مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب

اللہ تعالیٰ تجھے اور انہیں ایک جگہ جمع کر دے گا اس وقت تم خدا کے سامنے ایک دوسرے سے سوال و جواب کر لو گے''۔

یہ سن کر ابن زیاد کو سخت طیش آیا اور کہا ''خدا تعالیٰ نے تیرے اهل بیت کے سرکش اور نافرمان باغیوں کی موت سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔''

زینب رونے لگی اور کہا ''میری عمر کی قسم! تم نے ہمارے لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ ہماری شاخوں کو کاٹا اور ہمارے خاندان کو ملیا میٹ کر دیا۔ اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو کر لے''!

ابن زیاد نے یہ سن کر کہا ''یہ شاعری ہے۔ تیرا باپ بھی شاعر تھا''۔

اس کے بعد ابن زیاد کی نظر زین العابدین پر پڑی۔ اس نے پوچھا ''تم کون ہو؟''

انہوں نے جواب دیا: ''علی بن حسین رض''

ابن زیاد نے پوچھا ''کیا اللہ تعالیٰ نے علی بن حسین رض کو قتل نہیں کیا؟''

زین العابدین نے جواب دیا ''میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علی تھا۔ اسے لوگوں نے قتل کر دیا''

ابن زیاد نے کہا ''اسے لوگوں نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے''۔

زین العابدین نے جواب میں فرمایا ''اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو جب ان کی وفات کا وقت قریب آتا ہے، موت دیتا ہے۔

اور کسی نفس کی یہ مجال نہیں کہ وہ بغیر خدا تعالیٰ کی اجازت کے مر جائے،،۔

ابن زیاد غضبناک ہو کر بولا ''اچھا تجھ میں میری بات کے جواب دینے کی جرأت پیدا ہو گئی؟''۔

یہ کہہ کر اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ'' اسے لے جاؤ اور اس کی گردن اڑادو۔''

زینب ، زین العابدین سے چمٹ گئیں اور کہا ''اے ابن زیاد! میں تجھے خدا کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ اگر تو اسے قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کے ساتھ مجھے بھی قتل کر ڈال،،۔

ابن زیاد کو زینب کی بے قراری دیکھ کر رحم آ گیا۔ اور اس نے حکم دیا کہ ''زین العابدین کو چھوڑ دو۔ یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے۔''

اس کے بعد ابن زیاد مجلس سے اٹھا اور مسجد میں آیا۔ اذان کہی گئی۔ وہ منبر پر چڑھا اور خطبہ دینا شروع کیا:۔

''خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے حق کو ظاہر کیا اور امیرالمومنین یزید بن معاویہ اور ان کے لشکر کو فتح عطا فرمائی جھوٹوں کے جھوٹے (نعوذباللہ) حسین بن علی اور اس کے گروہ کو قتل کر ڈالا،،۔

یہ سن کر عبداللہ بن حنیف ازدی جو اندھے تھے اور اپنی ایک آنکھ جنگ جمل کے موقعہ پر اور دوسری جنگ صفین کے موقعہ پر حضرت علی رض کی رفاقت میں کھو چکے تھے اور جو تمام دن مسجد میں خدا تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ کھڑے ہوئے اور کہا:۔

،،اے ابن زیاد! تو نبیوں کے بیٹوں کو قتل کرتا ہے اور

منبر پر صدیقوں کی جگہ کھڑا ہوتا ہے - جھوٹا تو ہے اور تیرا باپ اور وہ جس نے تجھے والی بنایا اور اس کا باپ '' !

ابن زیاد نے کہا : اسے میرے پاس لاؤ -

چنانچہ ابن زیاد کے آدمیوں نے ابن حنیف کو پکڑ لیا - اس پر انہوں نے قبیلہ ازد کا مخصوص نعرہ لگایا - یہ نعرہ سن کر ایک ازدی نے انہیں ابن زیاد کے ہاتھوں سے بزور چھین لیا اور انہیں ان کے گھر پہنچا دیا - رات کے وقت ابن زیاد نے اپنے آدمیوں کو انہیں گرفتار کرنے کے لئے بھیجا - انہیں ابن زیاد کے سامنے حاضر کیا گیا اور اس نے انہیں قتل کروا دیا -

جب صبح ہوئی تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ حسین رض اور دیگر مقتولین کے سر نیزوں پر چڑھا کر یزید کی خدمت میں دمشق بھیج دئیے جائیں '' اُن کے ساتھ ہی تمام قیدی عورتوں اور بچوں کو بھی یزید کے پاس روانہ کر دیا -

جب یہ قافلہ یزید کے پاس پہنچا تو حضرت امام حسین رض کی صاحبزادیوں فاطمہ اور سکینہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے - اُن کے سامنے اُن کے والد کا سر رکھا ہؤا تھا - یزید نے یہ بات محسوس کر لی اور سر کو وہاں سے ہٹا دیا - پھر اُن سے مخاطب ہو کر کہا - ''یہ جو کچھ ہؤا میرے علم کے بغیر ہؤا - اگر میں اس موقعے پر موجود ہوتا تو ضرور حسین رض کو معاف کر دیتا اور درگزر سے کام لیتا ،، -

علی بن حسین زین العابدین بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے - یزید نے بیڑیاں اور زنجیریں الگ کرنے کا حکم دیا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا ''اے علی ! تمہارے باپ نے مجھ سے قطع رحمی کی - میرا حق بھلایا - حکومت میں مجھ

سے جھگڑا کیا ۔ اس پر خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان سے کیا وہ تم نے دیکھ لیا ،،

زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑھی :—

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم
الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان ذٰلک علی اللہ
یسیراً لکیلا تا سوا علیٰ ما فاتکم ولا تفرحوابما
اٰتاکم واللہ لا یحب کل مختار فخور ۔

جتنی مصیبتیں روئے زمین پر اور تم پر نازل ہوتی ہیں وہ سب ہم نے ان کے پیدا کرنے سے پہلے کتاب میں لکھ رکھی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے یہ اس لئے کہ تم نقصان پر افسوس نہ کرو اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس پر مغرور نہ ہو خدا تعالیٰ ہر مغرور اور فخر کرنے والے کو نا پسند کرتا ہے ۔

یزید نے اس کا یہ جواب دیا ۔

ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم و یعفو عن کثیر تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے اور خدا تعالیٰ بہت سی خطاؤں کو تو معاف بھی کر دیتا ہے ۔

اس کے بعد یزید نے حکم دیا کہ اس کے محل کے متصل ایک گھر ان لوگوں کے لئے خالی کر دیا جائے ۔ اور ان کو نہایت عزت سے اس میں رکھا جائے ۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد کوفیوں نے اھل بیت کا سارا سامان لوٹ لیا تھا ۔ یزید نے اس کی تلافی کی اور تمام عورتوں سے پوچھ پوچھ کر ہر ایک کو دگنا مال دلوایا ۔

کچھ دن گزرنے کے بعد یزید نے انہیں مدینہ روانہ کرنا چاہا ۔ نعمان بن بشیر کو بلا کر حکم دیا کہ ان لوگوں کی

ضروریات کا سارا سامان مہیا کیا جائے اور ان کی حفاظت کے لئے سواروں کا ایک دستہ ساتھ کیا جائے ' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور تمام اھل بیت کو عزت و احترام کے ساتھ مدینہ پہنچا دیا گیا۔

یزید کے اس سلوک کا اھل بیت پر بہت اثر ہؤا۔ حضرت امام حسینؓ کی صاحبزادی سکینہ کہا کرتی تھیں ''میں نے کبھی کوئی ناشکرا انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا ''۔

یزید کو امام حسینؓ کے دردناک واقعہ کا ھمیشہ افسوس رھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا۔ ''مجھے کیا ہؤا؟ کاش میں تھوڑی سی تکلیف اٹھا لیتا اور رسول اللہ ص کے حق اور رشتےداری کی رعایت کرنے کے لئے حسینؓ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا ان کے مطالبے پر غور کرتا۔ خواہ اس سے میری قوت میں کمی ھی کیوں نہ ھو جاتی۔ خدا تعالیٰ کی لعنت ابن زیاد پر، جس نے حسینؓ کو لڑائی پر مجبور کیا۔ حسینؓ نے پیش کش کی تھی کہ وہ میرے ساتھ اپنا معاملہ طے کر لیں گے یا اسلامی سلطنت کی سرحد پر جا کر جہاد میں مصروف ھو جائیں گے' مگر ابن زیاد نے ان کی کوئی بات نہ مانی اور انہیں قتل کر دیا۔ ان کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا اور دلوں میں میری طرف سے بغض اور عداوت کے بیج بوئے گئے۔ خدا تعالیٰ کی لعنت ابن زیاد پر۔ خدا تعالیٰ کا غضب ابن زیاد پر! ''۔

اس ضمن میں ایک واقعہ کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ھوتا ھے جس سے حضرت امام حسینؓ کی بہن زینب بنت فاطمہ

کی جرآت و ہمت اور دلیری کا پتہ چلتا ہے۔ جس وقت حضرت حسینؓ کے اہل خاندان یزید کے سامنے پیش کئے گئے تو ایک شامی نوجوان نے یزید سے درخواست کی کہ فاطمہ بنت علیؓ اور ایک دوسری روایت کی رو سے فاطمہ بنت حسینؓ کو اس کے حوالے کر دیا جائے۔ فاطمہ نے یہ سن کر زینب کی چادر پکڑ لی۔ زینب کا منہ غیرت کے مارے سرخ ہو گیا اور انہوں نے پکار کر کہا :۔

”تو کمینہ ہے۔ نہ تجھے یہ اختیار حاصل ہے اور نہ یزید کو“۔ یزید کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا :۔

”تم جھوٹ بولتی ہو۔ مجھے یہ حق حاصل ہے اور اگر چاہوں تو ابھی ایسا کر سکتا ہوں“، زینب نے کہا :

”ہرگز نہیں۔ تمہیں خدا تعالیٰ نے ہرگز یہ حق نہیں دیا۔ البتہ اگر تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کر لو تب بات دوسری ہے“۔

زینب کی یہ جرآت و دلیری دیکھ کر یزید کو اور زیادہ طیش آیا اور اس نے کہا ”میرے سامنے تم ایسی باتیں کہتی ہو؟ دین سے تمہارا باپ اور تمہارا بھائی نکل چکا ہے“۔

زینب نے جواب دیا :

”تم نے، تمہارے باپ نے اور تمہارے دادا نے اللہ کے دین سے، میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے اور میرے نانا کے دین سے ہدایت پائی ہے“۔

یزید نے کہا : ”اے دشمن خدا تو جھوٹی ہے“ !

اس پر زینب نے فرمایا : ”تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے۔ ظلم کرتا ہے، گالیاں دیتا ہے اور اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے“۔

یہ سن کر یزید شرمندہ ہو گیا اور پھر کچھ نہ بولا۔ شامی نوجوان پھر کھڑا ہؤا اور کہا : ''امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کیجئے'' یزید نے اُسے ڈانٹا اور کہا :-

''خدا تجھے موت دے اور تجھے کبھی بیوی نصیب نہ ہو''!

جس وقت مدینہ میں حضرت امام حسینؓ اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں کی شہادت کی خبر پہنچی تو وہاں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ بنو ہاشم کی عورتیں چلاتی ہوئی باہر نکل آئیں عقیل بن ابو طالب کی صاحبزادی کی زبان پر یہ اشعار جاری تھے۔

ماذا تقولون ان قال النبی لکم

ماذا فعلتم و انتم آخر الامم

بعترتی و باھلی بعد مفتقدی

منھم اساری و قتلی ضر جوابدم

ماکان ھذا جزائی اذ نصحت لکم

ان تخلفونی بسوء فی ذوی رحمی

تم اس وقت کیا جواب دو گے جب رسول اللہ صلعم تم سے پوچھیں گے کہ اے لوگو جو سب سے آخری اُمت ہو تم نے میری وفات کے بعد میری اولاد اور میرے اھل بیت سے کیا سلوک کیا؟ کہ ان میں سے بعض قیدی ھیں اور بعض خون میں نہائے ہوئے مردہ پڑے ھیں۔ میں نے تمھارے ساتھ جو سلوک اور خیر خواھی کی اس کا تم نے یہی بدلہ دیا کہ میرے رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے اور انہیں اذیتیں پہنچائیں''؟

جب عامل مدینہ عمرو بن سعد نے ان عورتوں کے چلانے کی آوازیں سنیں تو وہ ھنسا اور منبر پر چڑھ کر لوگوں کو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی خبر دی۔

جب عبداللہ بن جعفر کو اپنے دونوں بیٹوں عون اور محمد کی شہادت کی خبر ملی تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے - ان کے رشتہ دار اور دوسرے لوگ ان کے پاس تعزیت کے لئے آنے لگے - ایک شخص نے کہا :-

''حسین کی خیرخواہی کا یہ بدلہ ملا''

یہ سن کر جعفر نے اسے اپنا جوتا کھینچ کر مارا اور کہا :- ''کیا حسینؓ کے متعلق تو ایسی بات کہتا ہے ؟ خدا تعالیٰ کی قسم اگر میں اس موقع پر موجود ہوتا تو اس وقت تک حسینؓ سے جدا نہ ہوتا جب تک ان کے ساتھ قتل نہ ہو جاتا - میرے دونوں بیٹوں کے مارے جانے سے جو مصیبت مجھ پر پڑی ہے یہ خیال آ کر اس میں کمی ہو جاتی ہے کہ وہ دونوں میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے - اگرچہ میں اپنے ہاتھ سے حسینؓ کی مدد نہ کر سکا ' لیکن میرے بیٹوں نے وفاداری کا حق ادا کر دیا'' -

حضرت امام حسینؓ کے قاتلین کے متعلق تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی عذاب الٰہی کی گرفت سے بچ نہ سکا - بعض قتل کروائے گئے اور بعضوں کو ایسے دردناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا کہ موت ان مصائب کے مقابلے میں کہیں زیادہ آسان تھی -

ابن الجوزی زہری سے روایت کرتے ہیں کہ قاتلین حسینؓ میں سے کوئی شخص بھی دنیا میں سزا سے نہیں بچا - بعضوں کو قتل کی سزا ملی - بعض اندھے ہو گئے - اور جو لوگ برسراقتدار تھے بہت تھوڑی مدت میں ان کا اقتدار جاتا رہا [1] -

---

1 تذکرہ خواص الامۃ - صفحہ ۱۵۸

ابن کثیر لکھتے ہیں۔ ''حضرت امام حسین رضؓ کی شہادت کے بعد جو فتنے برپا ہوئے اور جن کا ذکر تاریخوں میں آتا ہے ان میں اکثر بالکل صحیح ہیں۔ آپ کے قاتلوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں بچا جو کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا نہ ہؤا ہو۔ بعض لوگ دردناک امراض میں مبتلا ہو گئے اور اکثر لوگ مجنون اور مخبوط‌الحواس ہو گئے''۔

عبدالملک بن مروان کے زمانے میں جب مختار بن ابی عبیدالثقفی کوفہ پر حاکم ہؤا تو اس نے چن چن کر ایسے لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا جنہوں نے حضرت امام حسین رضؓ کی شہادت میں حصہ لیا تھا اور اس فوج میں شامل تھے جو آپ سے لڑنے کے لئے بھیجی گئی تھی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس نے ایک دن میں دو سو چالیس قاتلین حسین رضؓ کو قتل کیا۔ عمرو بن حجاج زبیدی بھی آپ کے شہید کرنے والوں میں تھا۔ وہ کوفہ سے تو بھاگ گیا لیکن مختار کے آدمیوں سے بچ نہ سکا اور قتل کر دیا گیا۔

شمر بن ذی‌الجوشن بھی بھاگ گیا تھا، اسے بھی مختار کے لوگوں نے پکڑ کر قتل کر ڈالا اور اس کی لاش کو کتوں سے پھڑوا دیا۔

قاتلین حسین رضؓ مختار کے پاس لائے جاتے اور وہ انہیں انتہائی اذیت کے ساتھ قتل کرنے کا حکم دیتا۔ بعض کو آگ میں جلا دیتا، بعضوں کے ہاتھ پیر کٹوا دیتا اور وہ سسک سسک کر مر جاتے۔ بعضوں کو تیروں سے مروا ڈالتا، خولی بن یزید جس نے حضرت امام حسین رضؓ کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تھا، مختار کے پاس لایا گیا۔ مختار نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس

کے بعد اس کی لاش کو آگ میں جلوا دیا اور وہ بالکل راکھ ہو گئی۔

ابن زیاد کے لشکر کے قائد عمر بن سعد کا بھی یہی حشر ہؤا اور اسے بھی اس کے بیٹے کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔

قاتلین حسینؓ میں سے جو لوگ جان بچا کر بھاگ گئے تھے بعد میں مختار نے اُن کے گھروں کو منہدم کرنے اور انہیں آگ لگا دینے کا حکم دے دیا۔

کوفہ میں قاتلین حسینؓ کا کام تمام کرنے کے بعد مختار نے ابراھیم بن اشتر کو عبیداللہ بن زیاد سے لڑنے کے لئے بھیجا۔ ابن اشتر کے ساتھ بہترین آزمودہ کار افسر بھی تھے۔ ابن زیاد بھی شام سے ایک عظیم الشان لشکر لے کر اس کے مقابلہ کے لئے چلا۔ نہر خازر پر دونوں لشکروں کا زبردست مقابلہ ہؤا جس میں ابن زیاد کو شکست فاش نصیب ھوئی۔ اور وہ میدان جنگ میں ابن اشتر کے ھاتھ سے مارا گیا۔ ابن زیاد کے علاوہ دوسرے شامی سردار حصین بن نمیر اور شرجیل بن ذی الکلاع وغیرھم بھی مارے گئے۔ ابن اشتر نے ابن زیاد اور دوسرے شامی سرداروں کے سر کاٹ کر فتح کی خوشخبری کے ساتھ مختار کے پاس کوفہ بھیج دئے۔ اور وہ اسی قصرالامارۃ میں رکھے گئے جہاں حضرت امام حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں کے سر رکھے گئے تھے۔

مختار نے ابن زیاد اور عمر بن سعد کے سر علی بن حسینؓ زین العابدین کی خدمت میں بھیج دئے۔ جب وہ سر اُن کے سامنے رکھے گئے تو وہ سجدے میں گر پڑے اور کہا :—

"خدا تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میرے لئے میرے دشمنوں سے میرا انتقام لے لیا۔"

اس طرح اللہ جل شانہ نے ہر اس شخص کو ہلاک کر دیا جو شہادت حسینؓ کے وقت میدان جنگ میں موجود تھا اور اس نے حضرت امامؓ کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا تھا۔

وحدت اسلامی کی اپیل

حضرت امام حسینؓ کی سیرت کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ جذبات سے بالکل بالا ہو کر لکھا ہے۔ ان واقعات کی روشنی میں جو صفحات ماسبق میں بیان کئے جا چکے ہیں، کوئی تاریخ دان بجا طور پر یہ پوچھ سکتا ہے کہ کیا اس زمانہ میں جب یہ درد ناک حادثہ ظہور پذیر ہؤا، کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جو حضرت امام حسینؓ کے موقف کو سمجھ کر اس آگ کو بجھا سکتا جو کربلا میں روشن ہوئی اور جس نے دیکھتے دیکھتے تمام عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے کر اسلامی وحدت کو بھسم کرکے رکھ دیا۔ اور ابنائے اسلام میں تفرقہ کی ایسی خلیج حائل کر دی جو روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی ہے؟

کیا اس وقت کوئی ایسا مرد میدان نہ تھا جو حق کی خاطر میدان میں نکلتا اور مظلوم کی مدافعت کرتا؟

کیا زمین زیر و زبر ہوگئی تھی اور وہ لوگ جو ظلم پر کبھی صبر نہیں کر سکتے، اور معصیت کو کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتے بالکل معدوم ہو گئے تھے؟

کیا تمام اسلامی سر زمین میں اس مختصر سے گروہ کے علاوہ جو حضرت امام حسینؓ کے ساتھ تھا اور کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس بات کا اعلان کرتا کہ حق حضرت امام حسینؓ کے

ساتھ ہے اور اسلام کی کشتی کے صحیح طور پر نا خدا بننے کے آپ ہی حق دار ہیں ؟

لیکن مقدر یہی تھا کہ یہ سانحۂ عظیم برپا ہو ۔ تا ہم اس واقعہ میں مسلمانوں کے لئے غور و فکر کی بہت سی راہیں کھلی ہوئی ہیں ۔ حضرت امام حسین رض ایک مقصد اور ایک نظریے کو سامنے رکھ کر جہاد کے لئے نکلے ۔ انہوں نے خلافت کا مطالبہ اس لئے کیا کہ آپ جانتے تھے کہ آپ یزید اور یزید کے علاوہ دوسرے لوگوں سے خلافت کے زیادہ حقدار ہیں اور اس منصب کو آپ ہی اچھی طرح نبھا سکتے ہیں ۔ آپ کے دل میں یہ خیال جا گزیں تھا کہ مسلمانوں کو تفرقہ اور فساد سے اگر کوئی شخصیت بچا سکتی ہے تو وہ صرف آپ ہی کی ذات ہے اور وحدت اسلامیہ کے اسی جذبہ کے تحت آپ نے یزید کے خلاف خروج کیا ۔

میری غرض اس کتاب کے لکھنے سے یہ ہے کہ میں پڑھنے والوں کے سامنے حضرت امام حسین رض اور آپ کے عہد کی سچی تصویر کھینچ کر رکھ دوں ۔ اعلا کلمتہ الحق اور اسلام کے جھنڈے کو سر بلند رکھنے کے لئے جو کوششیں کی جا رہی تھیں اُن کا ذکر کروں ۔ اور حضرت امام حسین رض کے دل میں اتحاد اسلامی کے لئے جو تڑپ موجود تھی اس کی جانب لوگوں کی توجہ مبذول کراؤں ۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر حضرت امام حسین رض یزید کے خلاف نہ بھی اُٹھتے تو یہ نا ممکن تھا کہ مسلمان یزید کی خلافت پر متفق ہوتے اور یک دل و یک زبان ہو کر اس کی اطاعت اختیار کرتے ۔ لیکن اگر حضرت امام حسین رض کو حکومت مل جاتی تو تمام مسلمان دل و جان سے آپ کی تائید کرتے اور ایک بار

پھر اتحاد کا وہی منظر سامنے آ جاتا جو شیخین کے عہد میں دنیا نے دیکھا ۔ اسی طرز عمل کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے حضرت امام حسین رض گھر سے نکلے تھے اور اسی اصول کی خاطر انہوں نے کربلا کے میدان میں اپنی جان دی ۔ حضرت امام حسین رض کی شہادت مسلمانوں کو یہ سبق دے رہی ہے کہ وہ بھی باہمی وحدت و اخوت کے لئے اپنی جانیں لڑا دیں اور آپس کے جھگڑوں میں پڑ کر اپنی قوت کو ضائع نہ کریں ۔ خدا کرے کہ میری کتاب سے بھی یہ مقصد پورا ہونے میں مدد ملے اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد کی سچی تڑپ پیدا ہو جائے !

معیار اور حسن
قائم رکھنے والا ادارہ
سلسلہ تاریخ و سوانح کی ایک اور کتاب پیش کرتا ہے

الہارون

مسلمان حکمرانوں میں جو شہرت ہارون الرشید، اس کے عہد اور اس عہد کی شخصیتوں کو حاصل ہے، اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ جہاں ہارون الف لیلیٰ کی رنگین داستانوں کا درخشاں کردار ہے وہاں تدبر، الوالعزمی، علم دوستی اور غریب نوازی کے لحاظ سے تاریخ عالم کا سنہری باب ہے۔ مشرقی اور مغربی تاریخ دان ہمیشہ سے اس بلند شان شہنشا[illegible] بارے میں رطب اللسان رہے ہیں۔ لیکن اردو میں ہارو[illegible] اور اس کے عہد کی جامع تاریخ آج تک نہیں لکھی [illegible] عمر ابوالنصر کی یہ تصنیف بیان اور ترتیب کے لحاظ سے ا[illegible] کی طرح دلچسپ ہے اور اپنے مواد کی صحت اور نظر کی دور [illegible] کے لحاظ سے تاریخ نویسی کا نیا معیار قائم کرتی ہے۔ آخر میں شیخ محمد اسماعیل پانی پتی صاحب نے بیسیوں کتابوں کی مدد سے ایک اختتامیہ مرتب کیا ہے جس سے یہ کتاب کسی دوسری کتاب کی محتاج نہیں رہی۔

☆

مکتبہ جدید۔ لاہور

سویرا آرٹ پریس۔ لاہور